لکھنؤ

تعمیر حیات

پندرہ روزہ

دائمی جہاد

حق کی راہ میں دائمی جہاد وہ جہاد ہے جو ہر مسلمان کو ہر وقت پیش آسکتا ہے، اس لئے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر امتی پر یہ فرض ہے کہ دین کی حمایت علم دین کی اشاعت، حق کی نصرت، غریبوں کی مدد، زیر دستوں کی امداد، سیہ کاروں کی ہدایت امر بالمعروف، نہی عن المنکر، اقامت عدل، رد ظلم، اور احکام الٰہی کی تعمیل میں ہمہ تن اور ہر وقت لگا رہے، یہاں تک کہ اسکی زندگی کی ہر جنبش و سکون، ایک جہاد بنجائے، اور اسکی پوری زندگی جہاد کا ایک غیر منقطع سلسلہ نظر آئے، سورۂ آل عمران کی جس میں جہاد کے مسلسل احکام ہیں آخری آیت ہے،

"یَا أَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا
وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝" (آل عمران - ۲۰)

(اے ایمان والو! مشکلات میں ثابت قدم رہو، اور مقابلہ میں مضبوطی دکھاؤ اور کام میں لگے رہو، اور خدا سے ڈرو، شاید کہ تم مراد کو پہنچو)۔

یہی وہ جہاد محمدی ہے، جو مسلمانوں کی کامیابی کی کنجی اور فتح و فیروزمندی کی نشانی ہے ——

(مولانا سید سلیمان ندویؒ)

۱۰ر نومبر ۱۹۸۱ء | زر سالانہ : بیس روپے | فی کاپی : ایک روپیہ

تعمیر حیات

لکھنؤ

پندرہ روزہ

شعبۂ تعمیر و ترقی دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

جلد نمبر ۱۹ | ۱۰ر نومبر سنہ ۱۹۸۱ء | ۱۲ر محرم الحرام سنہ ۱۴۰۲ھ | شمارہ نمبر ۱

نرخِ تعاون

اندرون ملک ——— بیس روپے

فی پرچہ ——— ایک روپیہ

بیرون ملک۔ بحری ڈاک۔ ہوائی ڈاک ۵ پونڈ

ہوائی ڈاک

ایشیائی ممالک ——— ۷ پونڈ

افریقی ممالک ——— ۸ پونڈ

یورپ امریکہ ——— ۱۰ پونڈ

اداریہ

محمود الازہار ندوی

سنہ ۱۴۰۲ھ کا پیغام

ربحت صہیب، ربحت صہیب، صہیب نفع میں رہے، صہیب نفع میں رہے۔ یہ بشارت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صہیب رومی کو اس وقت دی جب آپ کو صہیب رومی کے متعلق یہ اطلاع ملی کہ انھوں نے تمام مال و اسباب کو قربان کرکے ہجرت کی اور مدینہ پہونچنے میں کامیاب ہو گئے۔ حضرت صہیب نے جب ہجرت کا ارادہ کیا تو کفار قریش نے ان سے کہا، تم ایک حقیر سائل اور مفلس کی حیثیت سے ہمارے پاس آئے تھے، ہمارے یہاں رہ کر تم اتنے دولت مند بن گئے اور یہ حیثیت تم نے حاصل کر لی۔ اب تم چاہتے ہو کہ اپنے سارے سامان مال و جان کو لے کر یہاں سے نکل جاؤ خدا کی قسم یہ نہیں ہو سکتا۔ صہیب نے ان سے کہا، اگر میں یہ مال و اسباب تمہارے حوالے کر دوں تو تم کیا مجھے جانے دوگے؟ انھوں نے کہا ہاں! صہیب نے کہا یہ سارا مال تمھیں دیتا ہوں اور ہجرت کر گئے اور جب . . . رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو آپ نے ربحت صہیب ربحت صہیب فرمایا۔

واقعہ ہجرت تو ربیع الاول میں ہوا مگر حضرت عمرؓ نے اسی واقعہ کو بنیاد بناکر اسلامی تقویم کا آغاز کیا، اور کم و بیش اس پر ۱۴۰۱ سال گزر چکے ہیں اس واقعہ سے اسلامی تاریخ کا بھی آغاز ہوتا ہے اور اسی کے بعد اسلام کو مذہب دعوت اور مملکت کا قالب لینے میں مدد ملی۔

واقعہ ہجرت میں وہ عالمگیر پیغام پنہاں ہے کہ اللہ کے دین کی خاطر اللہ کی دعوت کی خاطر، خدا کے گھر اور مقدس شہر سے جدا ہونا پڑا، اعزہ و اقربا سے دوری برداشت کرنی پڑی اور دار السلام یا دار الاسلام جہاں دین محفوظ تھا، جہاں دین کی دعوت کی آزادی تھی اور صاحب دین کو بھی اطمینان و اعتماد تھا جانا پڑا، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ان اللہ عز وجل قد جعل لکم اخوانا و دارا تامنون بھا (اللہ عز وجل نے تمہارے لئے کچھ بھائی اور گھر بار مہیا کئے ہیں جہاں تم امن کے ساتھ رہ سکتے ہو)۔

مہاجرین نے اللہ کی راہ میں تکلیفیں برداشت کیں سخت آزمائش کے دور سے گزرے مگر ہمت نہ ہاری، قدم پیچھے ہٹنے نہ دئے اور ثابت قدم رہے، کوئی اپنی بیوی سے جدا ہوا کسی کو اپنے بچے سے دور ہونا پڑا اور کسی کو اپنی زندگی بھر کی کمائی سے ہاتھ دھونا پڑا۔ اور یہ تکلیف و پریشانی صرف اللہ کی خاطر اللہ کے دین کی خاطر برداشت کرنی پڑی۔ ابو سلمہ کو ہی لیجئے، انہوں نے ہجرت کی راہ میں بیوی اور بچے دونوں کا فراق برداشت کیا۔ ام سلمہ کو شوہر اور بچہ دونوں کی جدائی لینی پڑی اور سلمہ ابن ابو سلمہ اس راہ میں ماں اور باپ دونوں سے بچھڑ گئے۔

مکہ صحابہ کرام کا وطن تھا وہ وہیں پیدا ہوئے تھے، بیت اللہ کے سائے میں ان کی نشو و نما ہوئی تھی اور اس کی برکت سے وہ مستفید ہو رہے تھے۔ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جائے ولادت بھی تھا، وہ دل و جان بلکہ رگ جان سے زیادہ عزیز تھا، اللہ کے دین کی خاطر عقیدہ کی خاطر اس کو چھوڑ دیا، اور دیوانہ وار پیادہ و سوار تنہا و جماعت کی شکل میں نکل گئے۔ اور دعوت کے مرکز کو ایسی جگہ منتقل کر دیا جہاں اطمینان بھی تھا اور سکون بھی، اور اسکو مستقبل میں دولتِ اسلامیہ کا دار السلطنت اور مدفن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بننا تھا۔

سراقہ ابن مالک جشم ہی کو لیجئے اس نے انعام کی لالچ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تعاقب کیا، اس کے گھوڑے نے تین بار ٹھوکر کھائی اور آخری بار تو زمین میں دھنس گیا تو وہ سمجھ گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی حمایت میں ہیں اور وہ آپ تک نہیں پہونچ سکتا، اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت دی کہ سراقہ تمہارا اس وقت کیا حال ہوگا جب کسریٰ کے کنگن تم اپنے ہاتھ میں پہنو گے۔ اور پیشین گوئی حرف بحرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں صحیح ثابت ہوئی۔ کسریٰ کے کنگن اس کا تاج اور تلج حاضر کیا گیا اور حضرت عمرؓ نے سراقہ کو بلایا اور اس کو پہنایا۔

اس واقعہ میں وہ عظیم پیغام دیا گیا ہے، وہ دائمی سبق دیا گیا کہ سیدھے، اور صحیح راستہ پر چلنے والوں کو کوئی نقصان نہیں پہونچا سکتا۔ اس راہ میں مصائب برداشت کرنا پڑے گا۔ نفع اٹھانا ہے نفع میں رہنا ہے، کامیاب زندگی گذارنا ہے کامیاب رہنا ہے، دنیا اور آخرت میں سرخرو ہونا ہے تو عقیدہ و دین کی خاطر عزیز ترین اور محبوب و مرغوب شے کو اللہ کی راہ میں قربان کر دینا ہوگا۔ اور یہ بات پوشیدہ نہیں کہ جب جب صلحاء امت اور علماء نے اور داعیوں نے دین کی خاطر خطرات سے نبرد آزما ہوئے تو اللہ نے ان کی مدد کی ہے، ان کی حفاظت کی ہے اور ان کو کامیاب و بامراد کیا ہے۔

کوئی چیز کسی صدی کے ساتھ مخصوص نہیں نہ کسی سال کے یا ماہ و دن کے ساتھ مخصوص ہے لیکن اتنی بات ضرور ہے سن ہجری کا ہر آنے والا سال اسی ابدی پیغام کو دہراتا ہے، یاد دلاتا ہے اور مطالبہ کرتا ہے کہ خیر کا راستہ صرف ایک ہے، منزل کا راستہ صرف ایک ہے، قائد اور عوام کی منزل ایک ہے، وہ ہے قربانی، جہد مسلسل اور ہم نفسانیت سے دوری۔ جس نے اللہ کے دین کی خاطر، دین کی حقانیت کی خاطر، قربانی دی، جہد مسلسل کیا اور نفسانیت سے دور رہا وہ کامیاب ہوا، عوام نے قربانی دی وہ کامیاب ہو گئے اور اپنی مراد پالی اور اسی اصول پر قومیں بنی اور بگڑی ہیں اور ←

اس دائرہ میں اگر سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس شمارہ پر آپ کا چندہ ختم ہو چکا ہے لہذا اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ دین و ادب کا خادم ندوۃ العلماء کا ترجمان آپکی خدمت میں پہنچتا رہے تو اس کا سالانہ چندہ مبلغ بیس روپے ارسال فرمائیے۔ اگر اگلے شمارہ کی روانگی سے پہلے آپ کا چندہ یا خط موصول نہ ہوا تو یہ سمجھ کر کہ آپ کو وی۔ پی ہی سے چندہ ادا کرنے میں سہولت ہے۔ اگلا پرچہ مع وی۔ پی خرچ Rs.23/25 کے مطالبہ پر وی۔ پی سے روانہ ہوگا۔ چندہ یا خط بھیجتے وقت اپنا نمبر خریداری لکھنا نہ بھولیں۔

کتاب و سنت سے

مصیبت و آزمائش میں صبر و رضا

مولانا سید عبد الحی رح

آیات:

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ ۗ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُم مُّصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔ (سورۂ بقرہ آیت ۱۵۵-۱۵۶)	اور ہم کسی قدر خوف اور بھوک اور مال اور جانوں اور میووں کے نقصان سے تمھاری آزمائش کریں گے، تو صبر کرنیوالوں کو (خدا کی خوشنودی کی) بشارت سنا دو۔ ان لوگوں پر جب کوئی مصیبت واقع ہوتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم خدا ہی کا مال ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔
إِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُونَ أَجْرَهُم بِغَيْرِ حِسَابٍ۔ (سورہ زمر آیت ۱۰)	جو صبر کرنے والے ہیں ان کو بے شمار ثواب ملے گا۔
وَلَمَن صَبَرَ وَغَفَرَ إِنَّ ذَٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ۔ (سورہ شوریٰ آیت ۴۳)	اور جو صبر کرے اور قصور معاف کر دے تو یہ ہمت کے کام ہیں۔

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ایک صاحبزادی نے آپ کو کہلا بھیجا کہ میرا بچہ جانکنی کے عالم میں ہے آپ تشریف لائیں آپ نے جواب میں انھیں سلام کہلایا اور فرمایا، اللہ ہی کا ہے جو اس نے لے لیا اور اسی کا جو کچھ اس نے دیا، اس کے نزدیک ہر چیز کے لئے ایک وقت مقرر ہے، صبر کریں اور اللہ سے ثواب کی امید رکھیں، صاحبزادی نے دوبارہ قسم دلا کر کہلایا آپ ضرور تشریف لائیں، اس وقت آپ اٹھے اور آپ کے ساتھ حضرت سعد بن عبادہ اور دیگر کچھ حضرات چلے، بچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا۔ آپ نے بچہ کو گود میں بٹھا لیا بچہ موت و حیات کی کشمکش میں تھا یہ منظر دیکھ کر آپ کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں، آپ کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر حضرت سعدؓ نے فرمایا: یہ رحمت ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں میں رکھ دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے رحم دل بندوں پر رحم فرماتا ہے۔ (متفق علیہ)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک عورت کے پاس سے گزر ہوا جو ایک قبر پر بیٹھی رو رہی تھی۔ آپؐ نے اس سے فرمایا، اللہ سے ڈرو اور صبر کرو اس عورت نے آپ سے کہا دور ہٹو تم پر میری جیسی مصیبت نہیں پڑی نہ تم اس کی تکلیف کو جانتے ہو۔ جب اس عورت کو بتایا گیا کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تھے تو دربار نبوت میں حاضری ہوئی وہاں اس کو کوئی دربان و چپراسی نظر نہ آیا، اس نے عرض کیا اللہ کے نبی میں نے پہچانا نہیں تھا اسلئے شان اقدس میں گستاخی ہوئی، آپ نے فرمایا، صبر تو وہی معتبر ہے جو صدمہ پہنچنے کے وقت کیا جائے۔ (متفق علیہ)

حضرت ابو سعید اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان کو جو بھی تکلیف و بیماری، رنج افسوس اور پریشانی و غم پہنچتا ہے، حتی کہ کانٹا بھی چبھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اس کی غلطیوں کا کفارہ بنا دیتا ہے۔ (متفق علیہ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن کی مثال کھیتی کے اس نرم پودے کی سی ہے کہ ہوا جس رُخ سے بھی آتی ہے اس کو موڑ دیتی ہے پھر جب ہوا رُک گئی ہے تو وہ سیدھا ہو جاتا ہے (یعنی ایسے ہی مسلمان پر جو مصیبت آتی ہے اس پر صبر کرتا ہے، مطیع رہتا ہے، جب مصیبت و امتحان کا دور ختم ہو جاتا ہے تو شکر ادا کرتا ہے) اور منافق کی مثال صنوبر کے درخت کی سی ہے کہ وہ سخت و سیدھا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے اس کو توڑ دیتا ہے (یعنی منافق مصیبت میں مطیع نہیں رہتا)۔ (بخاری)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جب میں اپنے بندے کی دونوں محبوب چیزوں کو چھین لیتا ہوں اور وہ صبر کرتا ہے تو ان دونوں کے بدلے میں اسکو جنت دیتا ہوں۔ دونوں محبوب چیزوں سے مراد دونوں آنکھیں ہیں۔ (بخاری)

حضرت صہیب بن سنان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مومن کا معاملہ بھی خوب ہے۔ اس کا ہر معاملہ خیر ہی خیر ہوتا ہے مومن کے سوا کسی اور کو یہ بات حاصل نہیں۔ اس کو خوشی حاصل ہوئی ہے تو وہ شکر ادا کرتا ہے یہ اس کے حق میں خیر ہی خیر ہے اس کو رنج و تکلیف پہنچتی ہے تو اس پر وہ صبر کرتا ہے، یہ بھی اس کے حق میں خیر ہی خیر ہوتا ہے۔ (مسلم)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالیٰ جب اپنے بندے کے حق میں بھلائی چاہتا ہے تو اس کو دنیا ہی میں (اس کے گناہ کی) سزا دے دیتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے ساتھ برائی کا فیصلہ فرماتا ہے تو اس کے گناہ پر اس کو چھوڑ دیتا ہے پھر قیامت کے دن پوری پوری سزا دیتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جتنی بڑی آزمائش ہوتی ہے اتنا ہی بڑا اجر ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جن لوگوں سے محبت فرماتا ہے اس کو آزمائش میں ڈالتا ہے، جو اس آزمائش میں اللہ کے فیصلہ پر راضی رہتا ہے اس سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتے ہیں، اور جو واویلا مچاتا ہے اور ناراضگی ظاہر کرتا ہے اس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے۔ (ترمذی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مومن مرد و عورت برابر جان، مال اور اولاد کی آزمائش میں مبتلا رہتے ہیں یہاں تک کہ جب وہ اللہ تعالیٰ سے ملیں گے تو ان پر کوئی گناہ نہ باقی رہے گا۔ (ترمذی)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، وہ مومن جو لوگوں سے ملتا جلتا ہے اور ان کی ایذا رسانیوں پر صبر کرتا ہے وہ اس مومن سے بہتر ہے جو لوگوں سے ملتا جلتا نہیں ہے اور ان کی ایذا رسانیوں پر صبر کی منزل سے نہیں گزرتا ہے۔ (ابن ماجہ)

مجلس ادارت	نگرانِ اعلیٰ
نذر الحفیظ ندوی	مولانا ابو العرفان ندوی
شمس الحق ندوی	
محمود الازہار ندوی	

پرنٹر پبلشر جمیل احمد ندوی نے جے۔ کے آفسیٹ پرنٹرز جامع مسجد دہلی میں طبع کرا کے دفتر تعمیر حیات، شعبۂ تعمیر و ترقی دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے لئے شائع کیا۔

ان کا عروج و زوال ہے سہ
جو ہو ذوقِ یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں

تعمیر حیات ۱۹ویں سال میں

اس شمارہ سے تعمیر حیات کی ۱۹ویں جلد شروع ہو رہی ہے۔ تعمیر حیات نے گذشتہ ۱۸ سالوں میں دینی، علمی مضامین سے لیکر عالم اسلام کے تازہ حالات پر بے لاگ تبصرہ کئے ان ممالک میں بدلتے ہوئے حالات پر بروقت رہنمائی کی، چاہے مصر میں ناصرازم کا فتنہ ہو یا سادات کی غیر متوازن پالیسی کا دور ہو یا پاکستان میں بھٹوازم کا سیلاب ہو، یا شام میں اخوان پر ظلم وستم کی داستان ہو، افغانستان میں روسی یلغار کی ناپاک داستان ہو یا ایران میں اسلامی انقلاب کے زیر سایہ خونریزی کے نہ مٹنے والے نقوش ہوں غرض ہر موضوع پر اس پندرہ روزہ اخبار میں قلم اٹھایا گیا اور اپنی وقیع رائے قارئین تک پہونچائی گئی۔

اس وقت عالم اسلام عالمی طاقتوں کی توجہ کا مرکز بنا ہوا ہے، اس میں بنیادی طور پر دو مسائل ہیں۔ ایک سعودی عرب کو اواکس طیاروں کی سپلائی، اور دوسرے مصر میں صدر سادات کے قتل کے بعد پیش آنے والے حالات ہیں۔ اواکس طیاروں کی سپلائی شروع ہی سے متنازع رہی ہے اور اس کو سپلائی کرنے اور نہ کرنے دونوں کی جو دلیلیں دی جارہی ہیں ان میں بھی کچھ زیادہ وزن نہیں ہے۔ ان طیاروں کی سپلائی سعودی عرب کی حفاظت کی خاطر ضروری تھی جیسا کہ مبصرین کہتے ہیں اور امریکہ بھی اس رائے کو تسلیم کرتا ہے مگر ان طیاروں کی سپلائی ایوان نمائندگان اور سینیٹ کی منظوری کے بغیر نہیں کی جاسکتی تھی اور ایوان نمائندگان نے اس کی فراہمی کو نامنظور کردیا ہے اب صرف سینیٹ کے فیصلہ کا انتظار ہے اور اس امر میں عالم اسلام اور امریکہ سے تعلقات رکھنے والے ممالک میں حد سے زیادہ بے اطمینانی پیدا ہوگئی ہے۔ امریکہ کی یہودی لابی اس سودے کو روکنے کے لئے سر دھڑ کی بازی لگائے ہوئے ہے جب کہ سعودی عرب نے اسے امریکہ اور سعودی عرب کے تعلقات کو ایک آزمائش قرار دیا ہے اور ہے کہ اگر امریکہ نے اس کو مطلوبہ ہتھیار فراہم نہ کئے تو امریکہ اور سعودی عرب کے تعلقات میں کشیدگی ہو سکتی ہے جس کی وجہ سے امریکہ کا دیوالیہ نکل سکتا ہے اور اسی قسم کی باتوں کا اظہار امریکہ کر بھی چکا ہے کہ اس کی معیشت سعودی ریال کے سہارے کھڑی ہے۔

اس سے زیادہ پیچیدہ صورت حال مصر کی ہے جہاں عربوں نے اس کا بائیکاٹ کیا یہودیوں اور عیسائیوں نے ان کی پرزور حمایت کی اور امریکہ نے اعلان کر ڈالا کہ وہ مصر کو مضبوط اور مستحکم کرنے کے لئے اپنے پرانے وعدہ پر قائم ہے اور پڑوسی ملک کے جو روسیوں کے ماتحت ہے درپیش خطرات میں اس کا دفاع کرے گا وہ مصر کے ساتھ سوڈان پر لیبیا کے امکانی حملہ اور شمالی افریقہ میں سوویت یونین کی پشت پناہی میں ہونے والے کسی بھی اقدام کے جواب میں مشترکہ کارروائی کرے گا۔

ان اقدامات نے جہاں مصر کے موجودہ سربراہ کو بیرونی محاذ پر استحکام دیا وہیں دونوں عالمی طاقتوں کو مشرق وسطی کے مسئلہ میں شدید تنازعہ میں مبتلا کردیا ہے اور روس نے جنرل ہیگ کے اس بیان پر کہ وہ اب مصر اور سوڈان کو اسلحہ تیزی سے فراہم کرے گا اور بحیرۂ روم کے علاقہ میں اس کی فوجی مشقیں ہونے والی ہیں، پر سخت انتباہ دیا ہے، اس نے کہا کہ وہ امریکہ کی اس علاقہ میں فوجی سرگرمیوں کو اپنی سلامتی کے لئے خطرہ تصور کرتا ہے۔

مصر کے موجودہ حالات تو ایسے معلوم دیتے ہیں کہ سادات کے قتل کے بعد پالیسی نا ہنوز غیر متوازن ہے بلکہ جس کام کا بیڑا صدر سادات نے اٹھایا تھا فرد کے بدلنے کے باوجود موجودہ حکمراں اسی پالیسی پر گامزن ہے اور حرکات اسلامیہ کے خلاف سخت اقدامات دیے جارہے ہیں اور اس کا وجود اپنی حکومت کے لئے خطرہ محسوس کرتے ہیں، ان حالات میں مصر، امریکہ اور یہودی لابی کے سہارے اپنے بھائیوں سے کٹ کر کب تک رہے گا، اس سوال کا جواب امریکہ، مصر اور امریکہ سعودی عرب کے تعلقات استوار اور عدم استوار ہونے اور داخلی طور پر ملک میں استحکام پر منحصر ہیں۔ مسٹر حسنی مبارک نے اب تک جو بھی اقدامات کئے ہیں وہ صدر سادات کے کئے ہوئے اقدامات کا ایک جز معلوم دیتے ہیں اس لئے یہ بات کہی جاسکتی ہے مصر کو سادات کے بنائے خطوط سے ہٹ کر کسی اور راہ پر چلنے میں وقت لگے گا۔

مسٹر حسنی مبارک اور صدر سادات کے درمیان ضرور اختلافات تھے اور دونوں کی رائے بعض معاملات میں بالکل مختلف بھی تھی مگر کرسی پر آنے کے بعد وہ جس راہ پر گامزن ہیں وہ مصر کو انتشار اور اضطراب کے علاوہ سکون نہ دے سکے گا اور خود مسٹر حسنی مبارک چین سے کرسی پر کام نہ کرسکیں گے، اور ان کو امریکہ اور اسرائیل سے گفتگو کرتے وقت داخلی امور ذہن پر مسلط ہونگے اور عوام کی امنگوں پر نہ چلنے کا انجام بھی ان کی نظروں سے اوجھل نہ ہوگا۔

مصر کے حالات ان کے سامنے ہیں، گذشتہ تیس برسوں میں اسلامی تحریکات کو متعدد بار کچلا جاچکا ہے مگر یہ چیز دبنے کے بجائے طاقتور ہوتی جارہی ہے اور جس جس نے ان کے خلاف کارروائی کی اس نے گویا اپنے روابط عوام سے منقطع کرلئے اور کوئی بھی حکمراں عوام سے تعلقات منقطع کرکے حکمرانی نہیں کرسکتا ہے وہ صرف Yeoman بن کر رہ سکتا ہے اور یہ چیز مصری عوام کسی حال میں بھی برداشت نہ کریں گے۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی تازہ کتاب

تبلیغ ودعوت کا معجزانہ اسلوب

قرآن کریم اور سیرت نبوی کے ادبی شہ پارے

قرآن حکیم میں انبیاء علیہم السلام کی حکیمانہ دعوت اپنی امتوں اور شاہانِ وقت سے مکالمہ اور گفتگوؤں کے دل آویز و دل کشا نمونے، خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چند خطبات اور انبیاء علیہم السلام کے بعض تربیت یافتہ اصحاب کی دعوت کا انداز، ان سب کا ادبی اور نفسیاتی تجزیہ اور ان سے دعوت الی اللہ اور حکمت ایمانی کے اصول کا استخراج، فہم قرآن، معرفت انبیاء، اور حکمت دعوت کی ایک نئی راہ کھولنے والی کتاب جس کے مطالعہ سے قرآن مجید سے شغف رکھنے والے، اور دعوت الی اللہ کا کام کرنے والے کسی تعلیم یافتہ مسلمان کو محروم نہیں رہنا چاہیے۔

آفسیٹ کی خوبصورت طباعت، قیمت دس روپے، مجلد مع گرد پوش

مجلس تحقیقات ونشریات اسلام پوسٹ بکس ۱۱۹ لکھنؤ

اصل عربی خطبات کے مطالعہ کا شوق رکھنے والے روائع من ادب الدعوة فی القرآن والسیرة النبویة، مندرجہ بالا پتہ سے طلب کریں۔ قیمت: Rs. 8/-

قرآن، ایک صاف شفاف آئینہ ہے

از: حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

میں نے ایک عزیز دوست سے سورۃ الانبیاء کی تلاوت سنی تو اس کی ایک عبرت آموز آیت نے میرے ذہن میں بے شمار معانی کے دریچے کھول دیئے۔ ارشاد باری ہے:۔

لَقَدْ اَنْزَلْنَا اِلَيْكُمْ كِتَابًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○ (الانبیاء)

(ہم نے تمہاری طرف ایک ایسی کتاب نازل کی ہے جس میں تمہارا تذکرہ ہے تو تم غور کیوں نہیں کرتے؟)

یہ آیت ہمیں . . . بتاتی ہے کہ قرآن ایک صاف شفاف، سچا، وفادار و دیانت دار آئینہ ہے جس میں ہر شخص اپنے خد و خال دیکھ سکتا ہے، معاشرہ میں اپنا مقام پہچان سکتا ہے، خدا کے نزدیک اپنا مرتبہ معلوم کرسکتا ہے، کیونکہ قرآن انسانوں کے اخلاق وصفات بیان کرتا ہے، اور اس میں انسانیت کے اعلیٰ اور ادنیٰ ہر طرح کے نمونہ کی تصویریں موجود ہیں "فیہ ذکرکم" یعنی اس کتاب میں تمہارا بیان ہے تمہارے حالات واوصاف مذکور ہیں، جیسا کہ بہت سے علماء نے سمجھا ہے، سلف قرآن کو ایک زندہ بولنے والی اور زندگی سے لبریز کتاب تصور کرتے تھے، ان کے نزدیک قرآن کوئی تاریخی اور آثار قدیمہ کی چیز نہیں تھی، جو حرف ماضی اور اگلے وقتوں کے لوگوں سے بحث کرتی ہو اور جس کا زندہ لوگوں سے بدلتی ہوئی انسانی زندگی اور انسانیت کے بے شمار ولامحدود نمونوں سے جو ہر زمان ومکان میں موجود رہتے ہیں کوئی تعلق نہ ہو۔

ہمارے اسلاف اپنے اخلاق و اوصاف اور اپنے اندرون کو بخوبی جانتے تھے، ہر چیز ان کے سامنے روشن اور عیاں ہوتی تھی، وہ اسی قرآن سے رہنمائی حاصل کرتے تھے، اسی عجیب و غریب کتاب میں اپنے چہرے ڈھونڈتے اور اپنے اخلاق واطوار کی سچی اور صحیح تصویر تلاش کرتے تھے، اور بہت آسانی سے خود کو اس کتاب میں پا جاتے تھے، اور پہچان لیتے تھے، اگر ذکر خیر ہوتا تو خدا کا شکر ادا کرتے اور کچھ اور ہوتا تو استغفار کرتے اور اپنی اصلاح کی کوشش کرتے تھے۔

اس آیت کی تلاوت پر مجھے سیدنا احنف بن قیس کا ایک واقعہ یاد آیا حضرت احنف بن قیس کبار تابعین میں سے ہیں، سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے مخصوص ترین اصحاب میں ان کا شمار ہے، حلم میں ضرب المثل تھے، مگر اس کے باوجود جب غصہ ہوجاتے تو ان کی غیرت وحمیت میں جوش آجاتا، لوگ کہتے تھے کہ جب احنف کو غصہ آتا ہے تو ان کے ساتھ ایک لاکھ تلواریں غضبناک ہوجاتی ہیں۔ یہ واقعہ میں نے ابو عبداللہ محمد بن النصر المروزی (متوفی ۲۷۵ھ) کی تصنیف "قیام اللیل" میں پڑھا ہے۔ مصنف امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے ارشد تلامذہ میں تھے، اور گمان غالب ہے کہ اس کتاب کی تالیف آپ ہی کے شہر بغداد میں ہوئی۔

واقعہ یہ ہے کہ ایک روز حضرت احنف بن قیس تشریف فرما تھے کہ انھوں نے کسی کو یہ آیت پڑھتے ہوئے سنا تو چونک پڑے اور فرمایا، ذرا قرآن مجید لانا میں اپنا ذکر تلاش کروں، اور معلوم کروں کہ میں کس کے ساتھ ہوں اور کس سے مشابہ ہوں۔

قرآن مجید کھولا تو آیت پر نظر پڑی جس میں کچھ لوگوں کے متعلق ارشاد ہے:۔

"كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ ○ وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ○ وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ" ○ (الذاریات ۱۷-۱۸)

(رات کے تھوڑے سے حصے میں سوتے تھے، اور اوقات سحر میں بخشش مانگا کرتے تھے اور ان کے مال میں مانگنے والے اور نہ مانگنے والے دونوں کا حق ہوتا تھا)۔

پھر یہ آیت پڑھی:۔

تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ○ (السجدہ ۱۶)

(ان کے پہلو بچھونوں سے الگ ہیں (اور) وہ اپنے پروردگار کو خوف و امید سے پکارتے ہیں، اور جو مال ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں)۔

پھر ان کے سامنے ایک گروہ آیا جس کی تعریف اس طرح کی گئی ہے:۔

"وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا" (الفرقان ۶۴)

(اور جو اپنے پروردگار کے آگے سجدہ کرکے عجز وادب سے کھڑے رہکر راتیں بسر کرتے ہیں)۔

پھر ان کا گذر ایسے لوگوں کے پاس سے ہوا جن کا قرآن مجید میں اس طرح ذکر ہے:۔

"اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ" ○ (آل عمران ۱۳۴)

(جو آسودگی اور تنگی میں (اپنا مال خدا کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں، اور غصہ کو روکتے ہیں، اور لوگوں کے قصور معاف کرتے ہیں، اور خدا نیکوکاروں کو دوست رکھتا ہے)۔

بقیہ ص ۱۵

سے روکے رہتا ہے۔

مختصر یہ کہ اس عظیم قوت dyna-matic force کی صفت سے اسلام متصف ہے جس کے ذریعہ مذکورہ بالا صفات کے انسانوں کا ایک ایسا پُرامن معاشرہ وجود میں آسکتا ہے جس میں شر و فساد باوجود اپنے سارے امکانات کے زمین میں پھیل کر انتشار برپا نہیں کرسکتا۔ کینیڈی نے کہا تھا کہ "یا تو انسان کو ہمیشہ کے لئے جنگ کے امکانات کو ختم کرنا ہوگا ورنہ ایک جنگ انسان کو ختم کردے گی۔ اور امکانات کے اختتام کا واحد ذریعہ اس عظیم قوت یعنی اسلام کے قبول کرنے کی شکل میں ممکن ہے۔

جمہوریت کا بحران اور اس کا پس منظر

ڈاکٹر فتحی رضوان (مصر)

ترجمہ: حشمت اللہ

جولائی ۱۷۸۹ء کے انقلاب فرانس کے بعد سے ۱۸۳۰ء، ۱۸۴۸ء اور ۱۸۷۰ء میں رونما ہونے والے انقلابات کے نتیجہ میں ایک خاص جمہوریت وجود میں آئی جسے ہم اینگلو فرنچ ڈیموکریسی کے نام سے موسوم کر سکتے ہیں جو ریاستہائے متحدہ امریکہ میں اس وقت داخل ہوئی جب وہاں ۱۷۷۶ء میں انگریزوں کے خلاف بغاوت ہوئی جس نے کنگ جارج سوم کی حکومت کا تختہ الٹ دیا اور امریکہ آزاد ہوگیا۔

یہ جمہوریت سیاسی نوعیت کی تھی (Political Democracy) بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ لوگوں نے اسے اس وقت سیاسی جمہوریت سمجھا جب حالات بدلے تو حکومت کے ایسے طریقے وجود میں آئے جو ان نئے نظریات کا نتیجہ تھے جس سے لوگ پہلے واقف نہیں تھے۔

اس نئی جمہوریت نے سارا زور طرز حکومت کی اصلاح پر صرف کیا اور اس کے سوا کسی چیز کو اہمیت نہیں دی، جو لوگ اس نظریہ کی پرزور حمایت کر رہے تھے اور اپنے مضامین میں اس کے محاسن بیان کرتے تھے مثلاً فرنچ فلسفی "روسو" (Rousseau) اور "مونٹسکو" (Montesquieu) اور انگریز فلسفی "ہوبز" (Hobbes) اور "لوک" (Locke)۔ ان کا خیال تھا کہ اگر حکومت صحیح طور پر اپنا کام انجام دینے لگے اور حکمراں طبقہ اپنی ذمہ داری محسوس کرنے لگے تو یقیناً ہر جگہ عدل و انصاف کی خوشگوار فضا قائم ہو جائے گی، اسباب معیشت ارزاں ہو جائیں گے، بازار کی حالت درست ہو جائے گی اور فقر و فاقہ اور غریبی کا خاتمہ ہو جائے گا پھر کوئی بھوکا نہیں رہے گا اور نہ عوام کا کوئی طبقہ عمدہ غذا، آرام دہ مکان اور اچھی صحت سے محروم رہے گا۔

لیکن امتداد زمانہ نے ثابت کر دیا کہ یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا، سیاسی جمہوریت کا دارومدار الیکشن پر تھا، وہی اس کے قیام کا واحد ذریعہ تھا اس کے بغیر وہ قائم نہیں رہ سکتی یا کم از کم وہ بے اثر ہو جاتی ہے نتیجہ یہ ہوا کہ اہل ثروت اور اقتدار کی ہوس رکھنے والے لوگ اس کے حصول کی فکر میں لگ گئے۔

دراصل اس کی وجہ یہ ہے کہ جمہوریت کی بنیاد روسو (Rousseau) کے نظریہ پر ہے، روسو تصورات کے عالم میں بہت کچھ سوچنے کا عادی تھا، وہ ایک دلنشین اسلوب اور منفرد انسانی تجربہ کا حامل تھا، اصلاً وہ سوئزرلینڈ کا باشندہ تھا جو فرانس اتفاقاً پہونچ گیا اور اس نے وہاں سکونت اختیار کر لی اور پھر وہاں کی قومیت بھی حاصل کر لی۔ اس وقت مشرق و مغرب کے شہر بلند و بالا مضبوط فصیل سے گھرے ہوتے تھے۔ رات کو فصیل کے آہنی دروازے بند کر دئے جاتے یہاں تک کہ افق پر صبح کی روشنی نمودار ہوتی، ایسا کرنا اس لئے ناگزیر تھا کہ ہر شہر کو پڑوس کی آبادیوں سے خطرہ تھا، اس کے علاوہ مسلح حملہ آوروں کا بھی خطرہ ہوتا تھا جنھوں نے لوٹ مار کو حصول معاش اور قوت اور اپنی صنعت و حرفت کی ترقی کا ذریعہ بنا لیا تھا۔ روسو ایک دن اپنے شہر "جنیوا" سے کسی کام کے لئے نکلا، جب وہ واپس آیا تو شہر پناہ کا دیو پیکر پھاٹک بند ہو چکا تھا سنگدل پہرہ داروں کے سخت دل اس کے لئے نرم نہ ہوئے۔ روسو نے وہیں سے پیرس کا رخ کیا جہاں وہ دوسرے دن دوپہر کو پہنچا، پیرس کی فضا اس کے لئے خوشگوار ثابت ہوئی۔

وہاں اس نے مستقل اقامت اختیار کر لی، لیکن ۱۷۸۹ء کے انقلاب سے کچھ پہلے جب حکومت نے شر انگیزی اور بغاوت کے الزام میں اس کو طلب کیا تو مجبوراً اس نے پیرس کو خیرباد کہا۔

میرے بعد طوفان آئے گا

روسو نے جب سکون کی سانس لی تو اس کے قلم میں جولانی آئی، اور اس نے کئی کتابیں تصنیف کیں جو آج تک دلچسپی سے پڑھی جاتی ہیں، ان تصانیف میں مفکرین، ادباء، ماہرین قانون، سیاست داں اور حکمراں سب کے لئے علمی اور فکری سرمایہ موجود ہے۔ اس علمی سرمایہ میں اس کے مشہور اعترافات (Confessions) اور وہ خطوط ہیں جو اس نے "ایمیل" (Emile) کے نام لکھے ہیں۔ اسی میں ایک کتاب —— "Social Contract" ہے جس میں اس نے یہ تصور پیش کیا ہے کہ انسانیت اپنی زندگی کے مختلف مراحل سے گذر کر ایک ایسے مرحلہ تک پہنچی جہاں اس نے عربی شاعر کی اس فکر سے اتفاق کیا کہ کسی قوم کی شیرازہ بندی اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ اس کا کوئی قائد نہ ہو، اور قیادت اسی وقت ابھر سکتی ہے جب کہ جاہلوں کی حکومت ختم ہو جائے۔ یعنی ابتدا میں جب لوگ پہاڑ کے غاروں سے نکلے اور انھوں نے کچھ معلومات فراہم کر لیں جنھیں پتھر، کھجور کی شاخوں اور متنوں پر ثبت کیا، تاکہ ان کے بعد آنے والی نسل ان معلومات سے فائدہ اٹھائے ان میں جو خامیاں ہوں دور کر دے۔ تو اس مرحلہ میں انھیں خیال پیدا ہوا کہ اقتدار اعلیٰ کا وجود ضروری ہے تاکہ وہ جرائم پیشہ اور ظلم و زیادتی کرنے والے عناصر پر کنٹرول کر سکے اور مفلس و ناتواں کی حمایت کرے اور ان کے لئے سامان زیست فراہم کرے۔ اس وقت لوگ یکساں درجہ کے تھے۔ انھوں نے سوچا کہ وہ حاکم یا اقتدار اعلیٰ جو امن و سلامتی کا نگہبان ہوگا اور عوام کے لئے ان کی فلاح و ترقی کے وسائل فراہم کریگا اس وقت تک اپنا کام انجام نہیں دے سکتا جب تک کہ سب اپنی غیر محدود اور وسیع آزادی میں سے کچھ حقوق سے اس کے حق میں دستبردار نہ ہو جائیں، اس مختصر سی آزادی سے جو قوم کے افراد کی مجموعی آزادی سے حاصل ہوگی، اقتدار اعلیٰ وجود میں آئے گا، جس کے وضع کردہ اصول پر قوم کا ہر فرد بغیر کسی امتیاز کے عامل ہوگا۔ یہی آپس کا اتفاق جس کے نتیجہ میں ایک اقتدار وجود میں آیا اور ایک حکومت قائم ہوئی اسی کو سوئزرلینڈ کے اس خیالی ادیب روسو نے Social Contract سے تعبیر کیا ہے۔ روسو نے Social Contract کا خیال پیش تو کیا ہے لیکن وہ ایسی تاریخی سند نہیں پیش کر سکا جس سے معلوم ہو کہ ایسا معاہدہ کب ہوا؟ کہاں ہوا؟ اور کس طرح ہوا؟ اس نے اپنا خیال ایک حقیقت کے طور پر اس طرح ظاہر کیا ہے کہ گویا اسے کسی تاریخی دستاویز سے حاصل کیا ہے جس کا اس نے مطالعہ کیا ہے۔

یورپ اُس وقت ظلم و زیادتی کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ خلاصہ یورپ کی سب سے بڑی سلطنت فرانس جو تہذیب و تمدن اور علم و دانش کے لحاظ سے سب سے آگے تھا، وہاں کا بادشاہ کہتا تھا کہ حکومت میری ذات سے وابستہ ہے، بادشاہ کی اس بات پر پوری قوم کو ناز تھا، اس لئے فطری طور پر بادشاہ کبر و نخوت کے نشہ میں مدہوش تھا، وہ اپنے دعویٰ میں حق بجانب تھا جس کی خلاف ورزی ممکن نہیں تھی۔ اس لئے وہ لوئیس چہار دہم کو سورج کا خطاب ملا، اس کا دربار حسن و رعنائی کا نمونہ تھا، بلکہ اس کی بے راہ روی برِ اعظم کے دیگر چھوٹے بادشاہوں کے لئے قابل تقلید نمونہ بن گئی۔ وہ اس کی ہمسری کی کوشش کرتے تھے حالانکہ انھیں وہ اس کے عشر عشیر کو بھی نہیں پہونچ سکتے تھے۔

اس کے بعد اس کا جانشین "لوئیس پانزدہم" آیا۔ اس نے محسوس کیا کہ زمین سرکش بادشاہوں کے قدموں کے نیچے سے سرک رہی ہے اس نے بے پروائی سے اپنے شانہ کو جنبش دیتے ہوئے کہا، میرے بعد طوفان آئے گا، اس کی پیشین گوئی حرف بحرف صحیح نکلی، ایسا لگتا ہے جیسے مستقبل کی تصویر اس کی نگاہیں دیکھ رہی تھیں۔ ایسا انقلاب آیا جو سیل رواں کی طرح سب کچھ بہالے گیا۔ لوئیس شانزدہم اور اس کی بیوی "میری اینطونی" کا سر تن سے جدا کر کے ایک ترنما ڈکری میں رکھ دیا گیا جس کے اوپر شمشیر بے نیام آویزاں تھی۔ اس کے بعد بے شمار لوگوں کے سر اس ٹوکری میں آئے جن میں امراء و حکام اعیان اور قومی لیڈر سب شامل تھے۔ ابوالعلاسوی

نے اس سے بہت پہلے کہا تھا جس سے اس ٹوکری کی صحیح تصویر کشی ہوتی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ "بسا اوقات ایسا ہوا ہے کہ ایک ہی قبر بار بار قبر بنی ہے اپنے اندر اضداد کا مجموعہ دیکھ کر ہنسنے لگی ہے"۔

لوگ ظلم و بربریت سے بیحد تنگ آچکے تھے اس لئے انھوں نے روسو کے اچھوتے نظریہ کو گہری نگاہ سے نہیں دیکھا اور بغیر سوچے سمجھے اسے اپنا لیا۔ اس نظریہ کے حاملین نے اس کی اشاعت شروع کر دی، وہ روسو کی کتاب کو خفیہ رواج دینے لگے۔ حکام اپنے اوامر کا وزن قائم رکھنے کے لئے مصنف اور قارئین دونوں کی تلاش میں تھے۔ سیادت و اقتدار سے محروم عوام جو لاکھوں چھوٹی بڑی غیر معروف اکائیوں میں منقسم تھے اپنے لئے اقتدار کا سرچشمہ بننا باعث سعادت سمجھتے تھے۔ وہ واقعی مسرور تھے کہ اب ان کا ہر فرد حکومت کی طاقت اور اس کے اثر و نفوذ میں براہ راست شریک ہوگا، حکومت عوام کو نظر انداز کر کے ملکی نظم و نسق نہیں چلا سکے گی۔ فوج، پولیس اور دیگر شعبوں کے افراد عوام ہی کے نمائندے ہوں۔ وزارت اور دوسرے کلیدی عہدوں پر عوام ہی فائز ہوں گے۔ وہ شاندار جلوس میں خوشنما لباس میں . . . . . ملبوس ہو کر نکلیں گے۔ ان کے آگے حفاظتی دستہ ہوگا اور دروازہ پر دربان ہوں گے۔

پہلا فتنۂ ارتداد:

جب انقلاب کا جوش ٹھنڈا ہوا، اور قانون داں ضوابط مرتب کرنے لگے، تو انقلاب کی تاریخ کا سب سے پہلا فتنۂ ارتداد شروع ہوا۔ وہ انقلاب انگیز عناصر جنھوں نے فتنہ و فساد کا قلع قمع کرنے کے لئے لاکھوں انسانوں کا خون بہایا تھا۔ اب واقعات کی دنیا میں اس منزل تک پہنچنے میں دشواری محسوس کر رہے تھے جس کا "روسو" نے حسین خواب دیکھا تھا۔ "روسو" کا نظریہ تو یہ تھا کہ اقتدار قوم کے افراد میں منقسم ہو، جہاں فرق مراتب یا کسی کے جاہ و جلال، اثر و رسوخ اور دولت و ثروت کا کوئی لحاظ نہ ہو۔ اس نظریہ کی رو سے معاشرہ کے ادنیٰ فرد کو بھی ووٹ کا وہی حق حاصل ہونا چاہئے جو کسی بڑے سے بڑے صاحب دولت و ثروت کو حاصل ہے، لیکن یہ مساوات جو انقلاب کے ارکان ثلاثہ یعنی حریت، مساوات اور اخوت میں اہم رکن کی حیثیت رکھتی تھی، اس کو عملی شکل دینا معاشرہ کے لئے تباہ کن ثابت ہو رہا تھا، کیونکہ ایک ناخواندہ اور تعلیم یافتہ مساوی کیسے ہو سکتے ہیں؟ ایک دولت مند جو اپنی دولت بڑھانا چاہتا ہے اسے پرامن حالات اور ترقی کے وسائل کی ضرورت ہے۔ لیکن ایک غریب جسے نہ تجارت کی ترقی کی فکر دامن گیر ہے اور نہ وہ صنعت و حرفت کے میدان کا آدمی ہے۔ اسے بقدر ضرورت غذا چاہئے، رہنے کے لئے گھر چاہئے جو بارش کے پانی اور گرمی کی تپش سے اسکی حفاظت کر سکے۔ بھلا یہ دونوں برابر کیسے ہو سکتے ہیں؟ یہی وجہ ہے کہ وہ تمام افراد ووٹ کے حق سے عملاً محروم ہو گئے جن کے پاس کوئی قیمتی جائداد نہیں تھی، یا جو ایک خاص مقدار میں ٹیکس نہیں ادا کر سکتے تھے یا وہ کسی کے خادم تھے یا پہلے کبھی خادم رہ چکے تھے۔ یہ صورت حال جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں انقلاب کی آواز سے انحراف تھی، بلکہ سرے سے اس نظریہ سے متصادم تھی جو انقلاب کا اصل محرک تھا۔ اس کا فطری نتیجہ یہ تھا کہ مسلسل تین انقلابات آئے جن میں انسانی خون کے دریا بہہ گئے، لاکھوں انسان قتل ہوئے۔ اتنی عظیم قربانی کے بعد روسو نے جس مساوات کی دعوت دی تھی وجود میں آئی اور سیاسی جمہوریت کا وہ خواب شرمندۂ تعبیر ہوا جس میں ووٹ کو خوشحالی اور امن و امان کا واحد ذریعہ بتایا گیا ہے۔

سیاسی دنیا ایک مدت تک پرسکون ماحول میں اسی طرح آگے بڑھتی رہی، انتخابات ہوتے رہے، بہت سی حکومتیں قائم ہوئیں اور بہت سی ختم ہوئیں۔ پوری انسانی سوسائٹی یا کم از کم اس کے اکثر افراد اس سے اچھا کسی دوسرے نظام کا تصور نہیں کر سکتے تھے۔ یہ صورت حال تھی کہ سیاسی دنیا کے افق پر ایک نئی شخصیت رونما ہوئی۔ جس نے جرمنی میں اپنی آنکھیں کھولی تھیں۔ مذہبی اعتبار سے اس کا تعلق یہودیت سے تھا، لیکن اس کے باپ نے جو بیرسٹر تھا یہودیت ترک کر کے مسیحیت قبول کر لی تھی اس لئے وہ شخصیت بھی مسیحیت کی طرف مائل ہو گئی یعنی مزدک "کارل مارکس" سے ہے جس نے سیاسی جمہوریت کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا کہ اس غریب کے ووٹ کی کیا قیمت ہو سکتی ہے جو بھوک کی شدت سے مضمحل ہو رہا ہو۔ وہ اپنا حق چند ٹکوں میں فروخت کر سکتا ہے۔ یہی حال ان تمام مزدوروں کا ہے جو چھوٹی بڑی فیکٹریوں میں کام کرتے ہیں، وہ اگرچہ بڑی تعداد میں ہیں لیکن ان کی حیثیت سیل رواں میں بہتے ہوئے ایک تنکے سے زیادہ نہیں ہے وہ فیکٹری کے مالک کے اشارہ پر چلتے ہیں اگر کارخانہ کا مالک یا کوئی دولت مند آدمی ان سے کہہ دے کہ فلاں نمائندہ کو ووٹ دینا ہے تو ایک فرد بھی اس کی خلاف ورزی کی جرأت نہیں کرتا۔ ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ ووٹ کی وجہ سے عوام حکومت کے تمام امور میں شریک ہیں اور قوانین ایسے ہی بنتے ہیں جو اکثریت کے مفاد میں ہوں لیکن واقعہ یہ ہے کہ کوئی ایسا قانون نافذ نہیں ہو سکتا جس میں دولت مند طبقہ کے مفاد کا لحاظ نہ کیا گیا ہو"۔

جب سے سرمایہ کا نظریہ سامنے آیا جس کی بنیاد مفروضات کے بجائے حقائق پر ہے ووٹ کا نظریہ محدود ہوتا گیا اور سارے مسائل نئے رخ پر چلنے لگے۔ اس طرح ایک نئی جمہوریت سامنے آئی جس کو ہم سوشل ڈیموکریسی (Social Democracy) کہتے ہیں۔ اس نظام کا حاصل یہ ہے کہ مساوات دراصل آمدنی، خوراک اور مال میں ہونی چاہئے، صرف بیلٹ بکس کے سامنے ووٹ کا مساوی حق حاصل ہونا مساوات نہیں ہے۔

جمہوریت کا بحران:

جمہوریت کے نظریہ میں اس تبدیلی کے ساتھ ایک دوسری تبدیلی بھی وجود میں آئی، وہ یہ کہ انتخابات سے ووٹروں کی دلچسپی کم ہوتی گئی، حتیٰ کہ وہ ممالک جہاں سے سیاسی جمہوریت کی صدا بلند ہوئی تھی اور واقعہ یہ ہے کہ وہ اب تک اسی پر قائم ہیں اسی صورت حال کا سامنا کر رہے ہیں۔ مثلاً برطانیہ، فرانس، بلجیم، اٹلی، ریاستہائے متحدہ امریکہ اور اسکینڈے نیوین ممالک، شاید الیکشن سے عدم دلچسپی کی وجہ یہ ہے کہ آج دنیا ایسے معاشی بحران کا شکار ہے جس کا کوئی حل نظر نہیں آتا۔ دولت مند ممالک کے ماہرین اقتصادیات نے ابھی تک افراط زر (Inflation) مہنگائی اور جنگائی کا کوئی حل نہیں پیش کیا ہے۔ اسی طرح انھوں نے بیکاری کے اس مہیب خطرہ کے مقابلہ میں کوئی اہم رول ادا نہیں کیا جس نے لاکھوں مزدور خاندان کو زندگی کے حقیقی لطف سے محروم کر رکھا ہے۔ حکومتیں ان مصیبت زدہ انسانوں کو اسپرین جیسی سکون بخش گولیاں دے کر درد و کرب کا احساس کم کرنے کی کوشش کرتی ہیں، لیکن درد کا احساس کچھ دیر کے لئے کم تو ہو جاتا ہے مگر ختم نہیں ہوتا۔

ووٹروں کو ہمیشہ یہ فکر دامن گیر رہتی ہے کہ وہ اپنے روزمرہ کے مسائل کس طرح حل کریں؟ اور اپنی محدود آمدنی سے گذر بسر کا سامان کیسے فراہم کریں؟ پارلیمنٹری انتخابات کے موقع پر لیڈران خوشگوار تبدیلی لانے کے لئے خوشنما وعدے کرتے ہیں، لیکن حکومت کی کرسی پر پہونچتے ہی وہ اپنے وعدے بھول جاتے ہیں، جمہوری نظام کو ایسے مسائل کا سامنا ہے جن کا حل آسان نہیں ہے جو الیکشن سے بیزاری، امیدواروں کے وعدوں پر بے اطمینانی اور ان کے جیتنے کے بعد ہونے والی روگردانی سے عدم دلچسپی کی شکل میں سامنے آرہے ہیں، اس صورت حال کے مقابلہ کے لئے کبھی ووٹروں کو الیکشن میں شرکت پر مجبور کیا جاتا ہے، ظلم و زیادتی کی جاتی ہے۔ اگر اتفاق سے کوئی ووٹ دینے نہیں آیا تو وہ سزا کا مستحق ہوتا ہے۔ کبھی اسے کسی سیاسی حق سے محروم کر دیا جاتا ہے، کبھی اس کو اپنے محلہ یا دفتر میں بدنام کرنے کے لئے الیکشن میں حصہ نہ لینے والے افراد کی فہرست تیار کر کے حلقہ انتخاب میں مختلف جگہ چسپاں کر دیا جاتا ہے۔

امریکی صدر جیرالڈ فورڈ نے امریکہ کے صدارتی الیکشن کے بعد ایک دن کہا کہ امریکہ پر سیاسی حقوق رکھنے والوں میں سے صرف ۲۲ فی صد لوگ حکومت کرتے ہیں اس لئے کہ یہاں سب سے اہم الیکشن میں ووٹروں کی کل ۴۴ فی صد تعداد شریک ہوئی اور اس کی ۵۴ فی صد میں اکثریت نے صدر کا انتخاب کیا۔ ←

برطانیہ اور امریکہ میں دو اہم واقعات پیش آئے جن کا تعلق راہ راست جمہوریت سے بہت گہرا ہے۔ برطانیہ میں دار العوام (House of Commons) کے سامنے یہ تجویز رکھی گئی کہ پارلیمنٹ کے اجلاس کی تصویر نے کر ممبران کے مباحثہ کے ساتھ پوری کارروائی ٹیلی ویژن پر نمائش کی جائے اور ریڈیو سے بھی نشر کی جائے۔

امریکہ میں سپریم کورٹ نے یہ فیصلہ صادر کیا کہ فوجداری کے مقدمات عوام کے لئے ٹی وی پر نمائش کئے جائیں۔

برطانوی دار العوام میں پہلی تجویز پر ایسی ہما ہمی سے مباحثہ ہوا کہ رائے عامہ پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہو گئی۔ اخبارات کے سیاسی مبصرین اور یونیورسٹیوں کے پولیٹیکل سائنس کے اساتذہ نے اس مباحثے سے دلچسپی لی جس سے یہ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ برطانیہ بلکہ پورے مغرب میں جمہوریت کا کیا حال ہے۔

تبصرہ میں زیادہ تر ووٹروں کی کمی کے اسباب کا جائزہ لیا گیا۔ اسلئے کہ دستوری نظام میں انتخابات بنیادی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔ انتخابات کے ذریعہ ممبران منتخب کئے جاتے ہیں۔ جو عوام کے دستور بناتے ہیں۔ حکام کی نگرانی کرتے ہیں۔ حکومتیں بناتے اور گراتے ہیں۔ اتنے اہم کام انجام دینے والے افراد جب عوام کی مختصر اور محدود تعداد کی نمائندگی کر رہے ہوں تو جمہوری نقطۂ نگاہ سے اس حکومت کے کسی بھی اقدام کی کیا اہمیت ہو سکتی ہے جس کے حق میں عوام کی اکثریت نہیں ہے۔

مباحثہ سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ اپنے حق کے استعمال سے عدم دلچسپی کا مرض اب ہاؤس آف کامنس کے اندر بھی پہنچ رہا ہے اس طرح ہر منتخب ممبران پارلیمنٹ کے تمام اجلاس میں حاضر نہیں ہوتے نہ مباحثہ میں شریک ہوتے ہیں، البتہ قانونی مسودات کا اس طرح جائزہ لیتے ہیں جس سے عوام کی نمائندگی کا حق ادا ہو اور یہ کہ پارلیمنٹ کے ممبران کی حکومت پر گرفت ظاہر ہو، اور اس طرح قانون سازی عوام کی خواہشات کی صدائے بازگشت ہو۔

حاصل یہ ہے کہ اس مباحثہ نے برطانیہ کے سیاسی نظام کو عوام کی نگاہ میں بالکل برہنہ کر دیا۔ سیاست کی رسوائی سے ملک کے لیڈروں کو یہ اندیشہ ہوا کہ سیاسی آزادی کی مخالفت کرنے والے بائیں اور دائیں بازو کے لوگ یا فاشسٹ اور کمیونسٹ کہیں موقع سے فائدہ اٹھا کر جمہوریت کے خلاف کوئی ایسا اقدام نہ کریں جس سے موجودہ نظام کا شیرازہ بکھر جائے۔

افسانہ کیوں؟

جمہوریت کے کچھ حامیوں نے اس تجویز کی تائید میں صدا بلند کی کہ پارلیمنٹ کے اجلاس ٹی وی پر نمائش کئے جائیں، اور اس کے پروگرام ریڈیو پر نشر کئے جائیں جس سے برطانیہ کی مضمحل جمہوریت کے جسم میں کافی مقدار میں نیا خون آ جائے گا۔ اس کے تین اسباب ہیں:۔

پہلا سبب یہ ہے کہ ٹی وی کا پرکشش منظر سیاسی سرگرمی کو عوام سے قریب کر دے گا۔ اب تک پارلیمنٹ کی کارروائیوں میں وہی لوگ شریک ہو سکتے ہیں جنہیں شرکت کے وسائل حاصل ہو سکتے ہیں۔ جیسے یونیورسٹیوں کے اساتذہ، یا وہ لوگ جن کی سرگرمیاں پارلیمنٹ کے قوانین اور تجاویز سے براہ راست متاثر ہوتی ہیں۔ اسی طرح سیاسی پارٹیوں سے تعلق رکھنے والے افراد جن کی شرکت کا مقصد اپنے سیاسی حریف پر حملہ اور اپنا دفاع کرنا ہوتا ہے، لیکن اگر ٹی وی کے ذریعہ پارلیمنٹ کی سرگرمیاں عوام تک پہنچا دی جائیں تو وہ سیاست سے خاطر خواہ دلچسپی لیں گے۔ دونوں ہاؤس (House of Commons & House of Lords) میں بحث و مباحثہ کی گرمی، ہر فریق کا مخصوص طرز استدلال، کسی مسئلہ کے تجزیہ کا انداز اور اس کے علاوہ پارلیمنٹ میں جو کچھ ہوتا ہے وہ اگر عوام کے سامنے آ جائے تو ایک اچھا سیاسی اسٹیج بن جائے گا جو محنت و مشقت کے بعد تھکے ماندے لوگوں کے لئے دلچسپی کا سامان فراہم کرے گا وہ اپنے گھروں میں بیٹھے ٹی وی پر سیاسی کارروائیوں کی تفصیلات کا مشاہدہ کرتے رہیں گے۔ اس طرح عوام کی نگرانی کا تصور عملی شکل میں نمودار ہوگا۔

زیر بحث موضوع پر غور کرنے والوں ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر دونوں ہاؤس کے اجلاس کی نمائش کے خوش آئندہ نتائج کا تذکرہ کرتے ہوئے بتایا کہ اس کا ایک فائدہ یہ ہوگا کہ ممبران میٹنگ میں شریک ہوں گے، اس لئے کہ وہ گھروں، ہوٹلوں میں اور دیگر مختلف مقامات پر ٹی وی پر ابھرتی ہوئی اپنی تصویریں دیکھیں گے۔ انھیں اس کا بھی خیال ہوگا کہ ان کے دوست احباب اور پڑوسی میٹنگ میں زیر بحث آنے والے مسائل کے متعلق ان سے پوچھیں، تو وہ اپنے آپ کو ان کے سامنے غیر ذمہ دار یا فرض ناشناس کی حیثیت سے پیش کرتے ہوئے شرم محسوس کریں گے۔ اس تجویز کی تائید کرنے والی جماعت کا خیال ہے کہ مجوزہ طریقہ کار الیکشن میں دلچسپی نہ لینے کی صورت حال میں بہت حد تک تبدیلی پیدا کرے گا۔ اس سے ووٹروں میں یہ احساس پیدا ہوگا کہ سیاسی میدان میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ انکے سامنے کھل کر آ جاتا ہے جب کوئی مسئلہ سامنے آتا ہے تو اس کے سارے مراحل اور ہر پارٹی کے دلائل ان کے سامنے ہوتے ہیں سیاسی شخصیات ان کے لئے اجنبی نہیں ہیں بلکہ وہ شخصیات ان سے اس حد تک قریب ہیں جیسے سینما، ٹیلی ویژن اور ڈرامہ میں رونما ہونے والے دیگر فنکار ہیں۔ وہ یقیناً کچھ مقبول اور با اثر اشخاص سے متاثر ہو کر ان کی تقریروں اور مباحثوں میں دلچسپی لیں گے۔

لیکن کچھ لوگوں نے جو ہر چیز کو مایوسی کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، تجویز کی مخالفت اس بنیاد پر کی کہ دونوں ہاؤس کے اجلاس کی ٹی وی نمائش یا ریڈیو نشر پر برے اثرات کا حامل ہوگا۔ انھوں نے اس خطرہ کو بہت زیادہ مہیب شکل میں پیش کیا اور عوام میں یہ احساس پیدا کیا کہ یہ طریقہ کار سیاسی زندگی کو بالکل تباہ کر دے گا۔ اس لئے انھیں اس سے ہرگز اتفاق نہ کرنا چاہیے ان کے نزدیک سیاست کو اس رنگ میں پیش کرنا اسے ڈرامہ بنا دے گا، جہاں سنجیدہ اور باوقار سیاسی رہنما جو اپنے خیالات مختصر اور ٹھوس انداز میں پیش کرنے کے عادی ہیں ڈرامہ کے ہیرو بن جائیں گے۔ پھر ان میں وہ سنجیدگی باقی نہیں رہ جائے گی بلکہ شور و ہنگامہ کی روش اختیار کر لیں گے اور عوام خصوصاً صنف نازک کو متاثر کرنے کے لئے اپنی بات پیچیدہ، طویل اور مزین بنا کر پیش کرنے کی کوشش کریں گے، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ غیر ضروری بحث اور بے فائدہ مبالغہ آرائی میں کافی وقت صرف ہوگا۔ اب تک ممبران پارلیمنٹ جو عوام کی نگاہ سے دور ہیں نپے تلے انداز میں گفتگو کرتے ہیں، جیسے پروفیسر کلاس روم میں طلبہ کے سامنے لکچر دیتے ہیں لیکن جب وہ عوام کے سامنے آ جائیں گے تو ان کے خلاف کسی رائے کا جرأت مندی سے اظہار نہیں کر سکیں گے، بلکہ وہی باتیں پیش کریں گے جو عوام کے جذبات سے ہم آہنگ ہوں گی۔

لیکن جو لوگ جمہوریت کے شباب رفتہ میں نئی روح پھونکنا چاہتے ہیں انھوں نے کہا کہ کوئی تجدیدی اقدام خسارہ سے خالی نہیں ہوتا خصوصاً ابتدا میں، یہاں تک کہ بڑی نفع بخش تجاویز بھی قوم کی ایک جماعت کی مخالفت کا ہدف بن چکی ہیں۔ ایسا بارہا ہوا ہے کہ لوگوں نے کسی مفید اقدام کو اپنے لئے مضرت رساں سمجھ کر ابتدا میں اس کی مخالفت کی ہے لیکن جب حالات سازگار ہو گئے تو اسے اپنے لئے باعث خیر و برکت سمجھا ہے۔ اسی طرح کے دور رس انقلابات نے انسانی زندگی میں خوش حالی اور آسانی پیدا کی ہے۔

یہ بڑی قوموں کی سیاسی زندگی کا ایک گوشہ ہے۔ ہم اس کی روشنی میں اندازہ کر سکتے ہیں کہ زندگی جب مفلوج ہو جاتی ہے تو اس میں حرکت، بیداری اور حرارت پیدا کرنے کے لئے کن اسباب و وسائل کا سہارا لینا پڑتا ہے، تاکہ زندگی انسان سے اور انسان زندگی سے وابستہ ہو جائے۔ ہم ان انقلابات کو غور و فکر کا محور بنا کر اپنے مسائل کا کامیاب حل نکال سکتے ہیں۔

ہمارے نومسلم بھائی اور ہماری ذمہ داری

مولانا محمد واضح رشید ندوی، ایڈیٹر الرائد

عربی سے ترجمہ: محمد اکرم

ہریجنوں کے اسلام قبول کرنے کے واقعہ کو اس قدر اہمیت دی گئی کہ اخباروں کے لئے دلچسپی کا موضوع بن گیا، اور یہ مسئلہ پارلیمنٹ میں بھی پیش ہوا، جس میں ممبران پارلیمنٹ نے مختلف رائیں دیں، کچھ ممبروں نے دفاعی پہلو اختیار کیا اور کہا کہ ہندوستانی دستور کے مطابق ہر شخص کو عقیدہ کی مکمل آزادی حاصل ہے، اور بعض ممبران نے ہریجنوں کے خلاف تادیبی کارروائیوں کا مطالبہ کیا، تاکہ وہ اسلام قبول کرنے سے باز آ جائیں، کیونکہ ان کے کہنے کے مطابق اتنی بڑی تعداد کے اسلام قبول کرنے سے مسلمانوں کے عناد میں اور اضافہ ہو جائیگا۔ ملک کا امن خطرہ میں پڑ جائے گا اور ہندوؤں اور مسلمانوں کی طاقت کے توازن میں فرق آ جائے گا۔

کئی اخبار نویسوں اور لیڈروں نے اس علاقہ کا دورہ کیا، اور ان اسباب کا بغور مطالعہ کیا، جن کی وجہ سے ہریجنوں نے ہندو دھرم چھوڑ کر مذہب اسلام قبول کیا، اور ان نومسلموں سے انٹرویو لینے کے بعد ایک رپورٹ تیار کی، جس کا حاصل یہ ہے کہ ذات پات کی تفریق اور نسلی امتیاز ہی وہ بنیادی سبب ہے جس نے ان کو سابق دین چھوڑنے پر مجبور کیا، اس کے برخلاف اسلام کی بنیاد مساوات پر ہے جو ان کے اسلام قبول کرنے کا سب سے بڑا محرک ثابت ہوئی، یہ دیکھ کر ہندو تنظیموں نے کچھ ایسے اقدامات کئے جن سے ہریجنوں کا مسئلہ حل ہو جائے اور وہ اعلیٰ طبقوں کے ساتھ مل جل کر رہ سکیں، لیکن یہ اقدامات مفید ثابت نہیں ہوئے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ ان کو ان اعلیٰ طبقوں کا تعاون حاصل نہ ہو سکا، جن کی نشو و نما ہریجنوں کو حقیر سمجھنے اور ان سے ملنے جلنے کو دین کا منافی سمجھنے پر ہوئی ہے، اور یہ ایسا تصور و احساس ہے جس کا آسانی سے زائل ہونا ممکن نہیں ہے اور یہ ہندی ذہنیت اور مذہبی عقیدہ کا جزء بن گیا ہے۔

اسلام قبول کرنا کوئی نئی چیز نہیں ہے، جیسا کہ اس شور و ہنگامہ سے معلوم ہوتا ہے، بلکہ اسلام لانے کا سلسلہ ہمیشہ سے جاری ہے، ہندوستان کی آزادی سے پہلے اس کا خطرہ تھا کہ ان سیاسی، اجتماعی اور تعلیمی حالات میں جن سے مسلمان دوچار ہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ نظام حکومت کے غیر مسلم اکثریت کے ہاتھ میں آ جانے، اور تقسیم سے پیدا شدہ حالات اور دباؤ کی وجہ سے مسلمانوں کا کمزور طبقہ مرتد ہو جائے اور جدید تعلیم یافتہ طبقہ ذہنی ارتداد کا شکار ہو جائے، جس کا ہندوستان کی تقسیم کے بعد دینی مدارس و مراکز سے دور بعض علاقوں میں خاص طور سے سرحدی علاقوں میں عملی تجربہ بھی ہوا جہاں اب فضا خوشگوار ہو جانے اور سیاسی و اقتصادی دباؤ کم ہو جانے اور دعوتی و تبلیغی جماعتوں کی نقل و حرکت سے ایک بڑی تعداد پھر اسلام میں واپس آ گئی ہے اور آ رہی ہے، لیکن اب بھی خصوصاً پنجاب اور راجستھان میں ایسے علاقے ہیں جہاں مدرسے خالی اور ویران اور مسجدیں مقبوضہ یا تالا بند ہیں، ان مسجدوں کی واپسی کے لئے اسلامی تنظیمیں کافی جد و جہد کر رہی ہیں اور اس معاملہ میں حکومت کے تعاون اور مقامی آبادی کی ہمدردی سے اکثر جگہوں پر پیش رفت ہوئی ہے۔

اسلام کا بہت بڑا معجزہ ہے کہ ان انتہائی مایوس کن حالات میں طرح طرح کی سیاسی و اجتماعی مشکلات اور پیچیدگیوں کے باوجود پھیلتا رہا ہے، ہندوستان میں تو مسلمانوں کو ہر طرح کے دستوری حقوق اور ضمانتیں حاصل ہیں، جہاں یہ حقوق حاصل نہیں ہیں وہاں بھی مسلمانوں نے اسلام کی حفاظت کی ہے، گذشتہ تیس سال کی مدت میں مختلف طبقوں کے ہندو اور عیسائی مرد و عورت سکون و اطمینان کے ساتھ اسلام قبول کرتے رہے ہیں، صرف اس مدت میں ہندوستان کے مختلف علاقوں میں جن افراد و جماعتوں نے اسلام قبول کیا ہے، اگر ان کا حساب لگایا جائے تو انکی تعداد ایک لاکھ سے متجاوز ہوگی، صرف ایک تبلیغی ادارہ کے حساب کے مطابق جنوبی ہند میں تیس سال کے اندر مسلمان ہونے والوں کی تعداد تیس ہزار سے زیادہ ہو گئی ہے، جیسا کہ ممبر پارلیمنٹ سید شہاب الدین نے بتایا، جنھوں نے اس علاقہ کا دورہ کیا تھا، اور ہندوستان کے وزیر داخلہ نے اس کا اعتراف کیا ہے کہ چھ ماہ کے اندر جنوبی ہند میں دو ہزار سے زیادہ اشخاص مشرف بہ اسلام ہوئے ہیں۔

یہ اسلام کا امتیاز ہے کہ ناموافق اور ناسازگار حالات میں بھی پھیلتا رہا اسلام عیسائیت کی طرح نہیں ہے، جو مال و دولت کی طمع اور زندگی کے مراحل میں تعاون و نصرت کے وعدوں اور اس قسم کی دوسری کارروائیوں سے پھیلا ہو ہمیشہ سے اسلام کا یہی مزاج رہا ہے۔

اس مدت میں ہندوستان کے مختلف علاقوں میں اسلام قبول کرنے کے واقعات کثرت سے پیش آتے رہے، ان اسلام لانے والے لوگوں میں صرف ہریجن ہی نہیں تھے، بلکہ تعلیم یافتہ، مدرس، وکیل اور سرکاری ملازمین کی بھی بڑی تعداد ان میں شامل ہے، ان میں سے بعض اسلام لانے والے لوگوں نے اسلام لانے کے اسباب اور اسلام کی وجہ ترجیح پر کتابیں بھی لکھی ہیں، اور بیانات بھی دیتے ہیں جو سب کے علم میں ہیں، لیکن تعجب کی بات ہے کہ مختلف اوقات میں اتنی بڑی تعداد کے اسلام لانے کی طرف نہ کبھی اخباروں نے توجہ دی اور نہ ہندو لیڈروں نے اسے کوئی اہمیت دی، لیکن آج ہریجنوں کے اسلام قبول کرنے کے واقعہ کو اس قدر اچھالا گیا کہ اس کے خلاف طرح طرح کے پروپیگنڈے کئے جا رہے ہیں اور شور و ہنگامہ برپا کیا جا رہا ہے، اور اس سلسلہ میں ایسی باتیں گڑھی گئی ہیں، جن کا صداقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں، یہ سب اس لئے ہوا کہ چند سو ہریجنوں نے ہندو دھرم کو پس پشت ڈال کر اجتماعی طور پر اسلام قبول کر لیا ہے اور بتایا ہے کہ ہندو دھرم وحشی اور تخریب پسند گروہ کا مذہب ہے، اور انہوں نے ہندو مذہب کی ایک ایسی گھٹی ہوئی رگ پکڑی ہے جس سے اس مذہب کے ماننے والوں کے دلوں میں بے چینی پیدا ہو گئی ہے اور کھلبلی مچ گئی ہے کہ کہیں اسلام قبول کرنے کا ایک عمومی طوفان نہ کھڑا ہو جائے جو پورے ملک کو متاثر کر دے، اس لئے مختلف سیاسی وسائل اختیار کر کے لوگوں کی توجہ پھیرنے کے لئے بہت بڑے پیمانہ پر پروپیگنڈہ کیا گیا، اس میں عرب کا نام بھی لیا گیا، اس کو عالمی سازش سے بھی تعبیر کیا گیا، مقامی مسلمانوں کو بھی متہم کیا گیا، اسلام پر بھی حملے کئے گئے اور کچھ نام نہاد مسلمانوں کے ہندو ہونے کا چرچہ بھی خوب زور و شور سے کیا گیا، جو تحقیق سے غلط ثابت ہوئے اسی طرح بڑی تعداد میں عیسائی ہونے پر کبھی ہنگامہ نہیں کیا گیا، بعض علاقوں میں عیسائی ہونے والوں کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ وہاں کا پورا نظام عیسائیوں کے ہاتھ میں ہے، جنوبی ہند میں عیسائیوں کی تعداد بہت بڑھتی ہوئی ہے اور ان کے مشنری ادارے، بنگال، اڑیسہ، آسام میں پھیلے ہوئے ہیں، لیکن اسلام لانے کے متفرق واقعات پر ابال آ گیا، اگرچہ اس سلسلہ میں بعض مرکزی لیڈروں اور خود وزیر داخلہ اور وزیر اعظم کے بیانات اعتدال پر مبنی ہیں اور انھوں نے حقیقی اسباب کیطرف جو محض انسانی ہیں توجہ دلائی ہے، بلفظ دیگر بات کی ایک بیانی میں طوفان برپا کرنے کی کوشش کی گئی، اور یہ شور و ہنگامہ بڑی حد تک ان لوگوں کو اسلام سے روکنے میں کامیاب ہوا جنھوں نے مسلمان ہونے کا عزم کر لیا تھا جیسا کہ یوم آزادی منانے کے وقت اعلان کیا گیا، لیکن متفرق طور پر اسلام لانے کے واقعات برابر پیش آ رہے ہیں۔

اس مسئلہ میں مسلمانوں کے لئے ایک قسم کا چیلنج ہے اور ان کی صلاحیتوں کا امتحان ہے کہ وہ ان حالات سے نپٹنے میں کس حد تک کامیاب ہوتے ہیں، پہلے مسلمانوں کی ذمہ داری بہت کم تھی، کیونکہ مختلف مقامات پر انفرادی طور پر لوگ مسلمان ہوتے اور اسلامی تنظیمیں اور مسلم افراد ان کو اپنے پیروں پر کھڑا ہونے

کے قابل بنا دیتے، اور شادی بیاہ اور لڑکوں کی تعلیم و تربیت کا مسئلہ حل کر دیتے، لیکن جماعتوں اور کمزور طبقہ کی بڑی تعداد کا اسلام قبول کرنا مسلمانوں کے لئے ایک قسم کا چیلنج ہے کہ وہ اتنی بڑی تعداد کا کس طرح استقبال کریں، اور بھائیوں کی طرح ان کو اپنے اندر ضم کریں، اور ان کو نئے دین پر ثابت قدم رکھنے کے لئے کس طرح ان کی تربیت کریں۔ ظاہر ہے کہ جو لوگ اسلام میں داخل ہوتے ہیں وہ اپنی خاص ذہنیت، خاص رجحانات اور رسم و رواج کے ساتھ داخل ہوتے ہیں، جن کا ازالہ ضروری ہے، اور اگر ان کو اپنے حال پر اشتعال انگیزیوں کے طوفان میں چھوڑ دیا جائے تو عقائد و افکار اور طرز حیات کے لحاظ سے وہ ایک نیا فرقہ بن جائیں گے جس کا تجربہ سیاہ فام امریکیوں کے سلسلہ میں ہو چکا ہے۔

سب سے مقدم اور اہم مسئلہ ہے کہ ان نومسلموں کی ذہنی تربیت کی جائے، اور انھیں اسلام کے اصول اور طرز حیات سے روشناس کیا جائے، اور ان کے لڑکوں کی دینی تعلیم و تربیت کا انتظام کیا جائے، تاکہ وہ اپنے معاشرہ میں اسلام کے داعی اور صحیح اسلامی تعلیم کی زندہ مثال بن سکیں۔

عیسائی مشنریاں نہایت سرگرمی کے ساتھ لوگوں کے اندر عیسائیت کو رنگ کرنے کا فریضہ انجام دے رہی ہیں حالانکہ وہ مساوات کی ضمانت پیش کرنے سے عاجز ہیں، ان کے گرجوں میں کالے گورے کا فرق کیا جاتا ہے، لیکن وہ نومسلموں کو سابق معاشرہ سے الگ کرنے اور ان کو نئے رنگ میں رنگنے کے لئے ہر ممکن کوششیں کرتی ہیں، یہاں تک کہ ان میں سے اکثر کی زبان، لباس، معیشت اور تعلیم میں تبدیلی آجاتی ہے۔

یہ ایسا کام ہے جس میں اجتماعی کوششوں کی ضرورت ہے، گروہ بندی اور ذاتی اغراض و منافع سے بلند ہو کر اور اسے ایک قومی مشترکہ مسئلہ سمجھ کر ساری جماعتوں، تنظیموں اور مدرسوں کو اس میں برابر حصہ لینا چاہئے اور اسی طرح کچھ ایسے مخلص افراد کے آگے بڑھنے کی ضرورت ہے جو سکون کے ساتھ اجر آخرت کی طلب میں دعوت و تربیت کا کام سنبھالیں۔

بلاشبہ مختلف علاقوں میں داعیوں کی ایک تعداد اس کام میں مشغول ہے جن کا نہ کسی جماعت سے انتساب ہے اور نہ ان کو کسی اخباری پروپیگنڈے کی خواہش ہے، اور یہ جو کچھ ہوا ہے سب انھیں کی مخلص کوششوں کا نتیجہ ہے، لیکن نومسلموں کی تعلیم و تربیت اور ان کو اسلامی طرز حیات سے روشناس کرنے کے لئے ضرورت ہے کہ ایک اجتماعی اور مشترکہ جدوجہد کی جائے ورنہ خطرہ ہے کہ کہیں یہ قیمتی انسانی سرمایہ ضائع نہ ہو جائے، یا وہ اسلام لانے کے بعد اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں مایوسی کا شکار ہو جائے۔

بقیہ ص ۱۱

تعاون کا معاہدہ کرکے لوٹے جس نے اس علاقہ کی صورت حال بدل دی تھی۔

تحریکات اسلامی کے خلاف اقدامات کے متعلق یہ بھی خیال کیا جاتا تھا کہ صدر سادات کی مسلسل اور ہر محاذ پر ناکامیوں اور ان پر ان کی جھنجھلاہٹ کا نتیجہ ہے اور یہ چیزیں ان کی تقریروں میں ایک عرصہ سے محسوس کی جارہی تھیں نیز ان کو داخلی و خارجی تمام محاذوں پر ان کو زبردست ناکامیاں ہوئیں اور ملک میں اس طبقہ کے علاوہ جس کا مفاد ان سے وابستہ تھا کوئی ان سے خوش نہ تھا،

عربوں کی امداد بند ہونے کے بعد ملک کی اقتصادیات پر برا اثر پڑا، انھوں نے اقتصادی آزادی کی پالیسی اختیار کی اور دنیا بھر کے بینکوں کو دعوت دی لیکن اس کا نتیجہ الٹا ہوا باہر سے سرمایہ مصر میں آنے کے بجائے انہیں بینکوں کے ذریعہ مصری سرمایہ باہر چلا گیا، ملک پر قرضوں کا بوجھ بڑھ گیا درآمد کی آزادی کا نتیجہ یہ ہوا کہ ضروری اشیاء کے بجائے کمالیات ملک میں بھر گئیں اس سے ایک طرف ملک کا سرمایہ غیر ضروری اشیاء میں صرف ہو گیا دوسرے معیار زندگی بلند ہو گیا اور عوام پریشان، حکومت کو مجبوراً تنخواہیں بڑھانی پڑیں لیکن ملک افراط زر کا شکار ہو گیا۔ اور اشیاء ضروریہ آسمان سے باتیں کرنے لگیں، دنیا میں مصری پونڈ کی کوئی قیمت نہیں رہ گئی تھی۔ یہ اقتصادی ناکامی مصر میں بری طرح محسوس کی جارہی تھی،

خارجہ پالیسی بھی ناکامی کا شکار ہوئی صحرا سینا واپس تو لے لیا لیکن اسرائیل کے مقابلہ میں ذلت آمیز شرائط کے ساتھ اس کا نتیجہ یہ بھی ہوا کہ پوری دنیا میں مصر کا وقار گر گیا اور عربوں میں تو تقریباً اچھوت بن کر رہ گئے۔ ایک سوڈان ان کے ساتھ تھا لیکن وہ بھی اپنی مجبوریوں کی وجہ سے۔ ساری دنیا سے کٹ کر امریکہ کی گود میں پناہ لی لیکن نئے صدر نے کچھ ایسا انداز اختیار کیا جو ان کے لئے غیر متوقع تھا اور مصر کے سوچنے اور سمجھنے والے طبقہ نے ان ناکامیوں کو محسوس کیا اور اپنے احساسات کا اظہار کرنے لگے۔

اس کے بعد اگر سربراہ مملکت کے خلاف کوئی ردعمل سامنے آتا ہے تو اسکو خلاف توقع نہیں کہہ سکتے ہیں۔

عباس علاءالدین اینڈ کمپنی

Abbas Alauddin & Co.

WHOLESALE AND RETAIL TEA MERCHANTS.

44, Haji Building, S. V. Patel Road,
Null Bazar, BOMBAY, 3.
Tele: Add. CUPKETTLE
Phone: 882220 — 378054

اسپشل مکسچر	کپ برانڈ
اسپشل ممری	گولڈن ڈسٹ
ہوٹل مکسچر	فلاور بی، او، پی
سوداگر مکسچر	سوپر ڈسٹ

۴۴- حاجی بلڈنگ، ایس، وی، پٹیل روڈ
نل بازار
بمبئی ۳

صدر سادات کا قتل اور اس کے اسباب

★ محمود حکیم

مصر کے صدر انور السادات کا قتل دنیا اور خاص طور سے عالم اسلام کے لئے کوئی ایسا واقعہ نہیں ہے جو پہلی مرتبہ پیش آیا ہو بلکہ اس سے قبل قریب ترین زمانہ میں مسلم ممالک کے متعدد سربراہان مملکت کا قتل ہو چکا ہے بنگلہ دیش کے شیخ مجیب الرحمن اور جنرل ضیاء الرحمن شمالی یمن کے صدر، ایران کے محمد علی رجائی، سعودی عرب کے شاہ فیصل کا قتل اس سے قبل ہوا ہے مگر فرق یہ ہے کہ مذکورہ بالا سربراہان مملکت کا قتل اس وقت ہوا جب ان کو اپنے عوام میں بے پناہ مقبولیت حاصل تھی اور درازی عمر کے لئے دعائیں ہو رہی تھیں اور ان کی ذات سے ملک اور ملت کو فائدہ پہنچ رہا تھا اس کے برخلاف صدر سادات کا قتل ایسے وقت ہوا جب وہ اپنی مقبولیت کھو چکے تھے اپنے پرانے ساتھیوں سے الگ ہو گئے تھے اور عوام سے بھی رابطہ منقطع ہو گیا تھا اور ان کا ہر قدم جو انھوں نے اپنے ملک اور عوام کے مفاد کی خاطر اٹھایا وہ ان کے خلاف آکر پڑا بلاشبہ ان کے دور میں بعض ایسے اہم واقعات پیش آئے جس نے ان کو ہیرو بنا دیا لیکن وہ اس کے پردہ میں ایسے اچھوتے اور کرشمہ ساز بننے کا خواب دیکھنے لگے جس کی وجہ سے ان کا رابطہ عوام سے تو بالکل کٹ گیا اور بیرونی دنیا تو بالکل محدود ہو کر رہ گئی۔

وہ صدر ناصر کے انتقال کے بعد اقتدار پر آئے اور بہت جلد اپنے غیر معمولی جرأتمندانہ اقدامات کی وجہ سے مقبول ہو گئے۔ بائیں بازو سے تعلق رکھنے والے وہ تمام عناصر جو کسی بھی وقت اقتدار کے لئے مشکلات پیدا کر سکتے تھے، جیل میں ڈال دئے گئے۔ روسی خبیروں کو مصر چھوڑنا پڑا اور اسرائیل کے خلاف ۱۹۷۳ء میں فاتحانہ پیش قدمی نے ان کو ہیرو بنا کر پیش کیا اور اندرون و بیرون ملک دونوں جگہ مقبولیت حاصل ہو گئی، ملک کے مسائل کو حل کرنے اور جنگ سے احتراز کرنے کی خاطر اسرائیل سے معاہدہ کیا، تل ابیب کا دورہ کیا مینا حیم بیگن کی قاہرہ آمد اور اسرائیل سے بالمشافہ مذاکرات اور اس میں ناکامی سے مصری توقعات کو ٹھیس پہنچی اور سادات کی ذات مجروح ہو گئی وہ عوام کی نظروں میں گر گئے اور صرف اپنے حامی افراد میں محدود ہو گئے۔ کیمپ ڈیوڈ معاہدہ پر سب سے پہلے حسن نہمی جو اس وقت وزیر خارجہ تھے، مخالفت کی اور استعفیٰ دیدیا اور ان کا چارج بطرس غالی جو عیسائی تھا لیا، اس سے وہ عوام کی نظروں میں بہت تیزی سے گرنے لگے اور اس کا اثر یہ ہوا کہ ملک کے بااثر طبقے یکے بعد دیگرے ان کا ساتھ چھوڑنے لگے سب سے پہلے صدر سادات کے اقدامات کا شکار بائیں بازو والے ہوئے انھوں نے برسر اقتدار آتے ہی روس سے یہ مطالبہ کیا کہ وہ ایسے اسلحہ دے جس سے مصر اسرائیل کے خلاف ہجومی اقدام کر سکے مگر روس مصر کو ایسی پوزیشن میں لانا نہیں چاہتا تھا دوسرے مصر کے ہوائی اڈے سب کے سب روسیوں کے کنٹرول میں تھے اور صدر سادات تک کو بھی ماسکو سے اجازت ملنے کے بعد ہی معاینہ کا موقع مل سکتا تھا، سادات نے روس سے مقاطعہ کا اعلان کیا اور خبیروں کو واپس کر دیا، اس طرح سے اندرون ملک اور بیرون ملک دونوں محاذ پر بائیں بازو والے ان کے خلاف ہو گئے۔

دوسرا طبقہ ناصر نوازوں کا تھا ان کی ناراضگی اور برافروختگی اس وقت کھل کر سامنے آئی جب سال رواں کے وسط میں انجینیر عثمان احمد عثمان جو متعدد تعمیراتی و ترقیاتی پروجیکٹوں کے ذمہ دار تھے کی کتاب صفحات "من تجربتی" شائع ہوئی، ناصر نواز حلقہ کے سخت مطالبہ کی وجہ سے اس میں مذکور واقعات کی تحقیقات کے لئے ایک کمیٹی بنانی پڑی۔ اس کتاب کے خلاف سخت مراسلے بھی شائع ہوئے جن میں ناصر کے داماد اشرف مروان، سابق وزیر اعظم عبدالعزیز حجازی اور سابق وزیر دفاع حسین فوزی کے تھے اور اس کتاب کا اہم حصہ جو ناصر کے خلاف تھا وہ صدر سادات کے اخبار مایو میں نمایاں طور پر شائع ہوئے اگرچہ اس کتاب سے صدر سادات نے صفائی میں ایک بیان دے کر دامن چھڑا لیا مگر اس سے ملک کا ناصر نواز طبقہ جو کسی وجہ سے اپنی زبان بند کئے ہوئے تھا تنقید کرنے لگا اور سادات کی مخالفت میں کھلم کھلا آگیا کیمپ ڈیوڈ معاہدہ اور عرب دنیا سے انقطاع کو ہدف ملامت بنایا اور سوشلسٹ جو اب تک برسر اقتدار طبقہ کی ہمنوائی کر رہا تھا وہ بھی ان کے خلاف ہو گیا اور تنقید کرنے لگا، حزب مخالف کے اخبارات نے صدر کو چیلنج کیا کہ وہ اپنی مقبولیت کا ڈھنڈھورا پیٹ رہے ہیں تو آزادانہ اور منصفانہ انتخاب کرا کے دیکھیں اس طرح صدر سادات کو اس طبقہ کی حمایت سے بھی محروم ہونا پڑا۔

تیسرا طبقہ مصر کے بہی خواہ عرب ممالک کا تھا جس نے مصر سے کیمپ ڈیوڈ معاہدہ اور سادات کے تل ابیب دورہ کے بعد تعلقات منقطع کر لئے اور اب تک وہ مصر کے ساتھ کوئی نرم گوشہ اختیار کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں اور اسی کا ردعمل صدر سادات کے جنازہ میں شرکت کے موقع پر ظاہر ہوا۔

چوتھا طبقہ ملک کے عیسائی تھے اور وہ حقیقتاً مصر کے لئے خطرہ بنے ہوئے تھے جنگ عظیم کے بعد ہی سے مصری عیسائی یہ سوچنے لگے تھے کہ جنوبی مصر میں ان کی الگ حکومت ہونی چاہئے، اسرائیل کے مقابلہ میں عربوں کی پیہم ناکامیوں سے انکی نگاہ اور بلند ہو گئی تھی اور کوششیں بھی تیز ہو گئی تھیں اور مصری حکومت کو بھی اسکے شواہد ملتے رہے، لبنان کی تباہی اور مصر کی مغرب نواز سیاست سے ان کی ہمت اور بلند ہو گئی، اور مصر میں امریکہ اور اسرائیل کے بڑھتے ہوئے اثرات کے بعد اس فتنے کے خطرناک صورت اختیار کرنے کے امکانات بہت بڑھ گئے تھے اور یہ لوگ صدر سادات اور مصر کے لئے وبال جان بنتے جارہے تھے۔

پانچواں طبقہ اسلام پسندوں کا تھا جس کو آہ کرنے کی اجازت نہ تھی مگر اسکے اندر اسلامی احیاء اتنی تیزی سے آرہی تھی کہ ملک کا سوشلسٹ طبقہ، قبطی، عیسائی اور برسر اقتدار طبقہ سب کے سب اس سے سراسیمہ تھا اور اس کی کاٹ کرنے کی تیاری کر رہا تھا اس طبقہ میں غیر معمولی جوش و خروش تھا اور بغیر کسی سرپرستی یا دعوت کے، دین اپنا کام کر رہا تھا اس کی اولیں علامتیں کالجوں اور دانشگاہوں میں پائی جانے لگی تھیں، طلبہ و طالبات نے دین کی طرف از خود رخ کیا، چہروں پر داڑھیاں اور سروں پر دوپٹے نظر آنے لگے۔ اسکندریہ اور قاہرہ کی یونیورسٹی کے علاوہ عین شمس یونیورسٹی فیشن کے مراکز سمجھے جاتے تھے مگر حال یہ تھا کہ اس میں نوے فیصد لڑکیاں نقاب میں آتی تھیں، طلبہ کی اکثریت کے چہروں پر داڑھیاں نظر آنے لگیں اور دونوں صنف نماز کے اوقات میں مصروف پائے جاتے تھے۔

ان حالات سے بوکھلا کر صدر سادات کو تحریکات اسلامیہ کے خلاف سخت اقدامات کرنے پڑے تھے اور بہانہ قبطی، مسیحی اور مسلمانوں کے مابین ہنگامہ بنایا گیا تھا جس کے بارے میں لوگوں کا عام قیاس ہے کہ خود حکومت کی ایماء پر ہوئے تھے تاکہ صدر سادات اپنے مخالفین و ناقدین کو چن چن کر گرفتار کریں اگرچہ قاہرہ کے حلقے ان اقدامات کی توجیہ بھی کرتے ہیں کہ سادات نے امریکہ پر دباؤ ڈالنے کے لئے یہ اقدامات کئے تھے، غالباً وہ یہ دکھلانا چاہتے تھے کہ مصری عوام امریکہ کی اسرائیل نواز پالیسیوں سے خوش نہیں ہیں اور امریکہ نے مصر کو جو نظرانداز کیا اور اسرائیل کو زیادہ اہمیت دی تو مصری عوام اسے پسند نہ کریں گے نیز سادات امریکہ سے خالی ہاتھ واپس آئے تھے اور ریگن فوجی

(بقیہ ص ۱۰)

حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی کا جنوبی ہند کا دورہ
اور
دعوتِ اسلامی کے مراکز کا جائزہ و معائنہ

از: مولانا واضح رشید ندوی، ایڈیٹر الرائد

دوسری اور آخری قسط

عربی سے ترجمہ: عبد المبین ندوی، تخصص دوم (دعوۃ)

ترناولی میں آخری دن:

ترناولی میں ہمارے دورے کی آخری تاریخ ۲۳ مئی ۸۱ء تھی جہاں ہم پندرہویں صدی کے جلسوں اور انجمن دار الایتام کی طرف سے منائی جانے والی سلور جبلی میں شریک ہوئے تھے۔ اس صوبہ تامل ناڈو میں اسلامی مراکز اور اداروں کے معائنہ اور وہاں کی شخصیات سے ملاقات کا آخری دن تھا۔ اسی روز حضرت مولانا نے دار الایتام کی نئی رہائش گاہ دیکھی جہاں اس انجمن کے تمام نئے شعبوں کی تعمیر کی تجویز ہے اس علاقہ کا رقبہ ۷۵ ایکڑ ہے کہ جو (Tenkasi - Urin Kottai Palayam) کے راستہ میں واقع ہے جس میں اس کے مجوزہ نقشے کے مطابق بعض عمارتوں کی تعمیر مکمل ہو چکی ہے مثلاً طلباء و اساتذہ کے لئے مسجد بن چکی ہے اور ٹیکنیکل ادارہ کے لئے ایک ہال تعمیر ہو گیا ہے۔

حضرت مولانا نے راستہ میں مدرسۃ البنات کو بھی دیکھا جو انجمن دار الایتام کے تابع ہے اور صنعت و حرفت کے دیگر شعبوں کا مشاہدہ کیا۔

۲۴ مئی کو بعد ظہر ہم لوگ کرنالم پہونچے جو ایک سیاحتی مرکز ہے اور کافی بلندی پر ہے اور اپنے خوشنما قدرتی مناظر اور آب و ہوا کی وجہ سے مشہور ہے، اس سے کچھ ہی فاصلہ پر میناکشی پورم کی بستی ہے۔

میناکشی پورم کا سفر:

اسی سفر میں میناکشی پورم کی حاضری بھی شامل تھی جہاں انجمن اشاعت اسلام جس کا انجمن دار الایتام سے گہرا اور وسیع تعلق ہے اسلام کی دعوتی سرگرمیوں میں مشغول ہے۔ اسی انجمن نے اس علاقہ کے مظلوم و ستم رسیدہ اور پسماندہ و پچھڑے طبقات میں کام کر کے ان کو اقتصادی و اجتماعی مشکلات سے نکالا اس کے نتیجہ میں تقریباً ایک ہزار افراد نے اسلام قبول کیا۔ میناکشی پورم کے سفر سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اسلام لانے والوں کو بدنام کرنے اور ان کے راستہ میں دشواریاں پیدا کرنے کے لئے کس کس طرح کے وسائل اور پروپیگنڈہ سے کام لیا جا رہا ہے۔ اور اس محض دعوتی کام کو کن کن ناموں سے یاد کیا جا رہا ہے جن اسلام لانے والوں سے ملاقات ہوئی ان سے اندازہ ہوا کہ ان کے حوصلے بلند ہیں اور ان کے ذہن صاف، اور دل منشرح ہیں، ان میں ایک بڑی تعداد تعلیم یافتہ لوگوں کی ہے جنھوں نے اسلام کا مطالعہ کیا ہے، اپنی محدود آمدنی سے ایک پکی مسجد بھی بنائی ہے جس میں سب مل کر نماز پڑھتے ہیں، اور اسلامی مساوات سے بے حد متاثر ہیں۔

حیرت انگیز بات یہ ہے کہ عیسائی مشنریز اس علاقہ میں برٹش راج ہی سے عیسائیت کے لئے پوری کوشش کر رہی ہیں اور اس کے لئے وہ تمام وسائل و ذرائع مثلاً لالچ دینا اور انسانی مسائل سے فائدہ اٹھانا اور دوسرے مذاہب کے خلاف نفرت پیدا کرنا، استعمال کر رہی ہیں اس سلسلہ میں عیسائیت نے جگہ جگہ اپنے مدارس و مراکز قائم کر لئے ہیں اور غرباء و مساکین اور ضرورت مند مجبور انسانوں کو اپنے مذہب کی طرف کھینچنے کے لئے ایسے ہسپتال کھولے ہیں جہاں علاج کے ساتھ عیسائیت کی تبلیغ کی جاتی ہے جس کی وجہ سے کثرت سے مجبور اور محتاج لوگ عیسائیت قبول کر لیتے ہیں لیکن کسی کا عیسائیت قبول کر لینا لوگوں میں وہ غیظ و غضب اور اضطراب و بے چینی پیدا نہیں کرتا جو ایک بستی کے کچھ افراد کے اسلام قبول کر لینے سے پیدا ہو گئی، اور سارے ملک میں اس پر ہنگامہ کھڑا ہو گیا اور افسانے گڑھ لئے گئے۔ شاید اجتماعی طور پر لوگوں کا اسلام میں داخل ہونا اس کا سبب ہو یا یہ کہ ہریجنوں نے ہندو مذہب کے بارے میں جن خیالات کا اظہار کیا ہے اس سے یہ صورت حال پیدا ہوئی ہو، یا یہ کہ ہندو اکثریت اسلام کو اس نظر سے نہیں دیکھتی جس نظر سے عیسائیت کو دیکھتی اور اہمیت دیتی ہے۔ اس لئے کہ عیسائی دعوت و تحریک کی حمایت و پشت پناہ بڑی طاقتیں ہیں جن سے ملک کا مفاد وابستہ ہے حتی کہ امریکہ کا عیسائیت کو سرگرم اور فعال بنانے میں بڑا حصہ اور ہاتھ ہے اور اس کی اکثر امداد جو اخلاقی اور انسانی لیبل سے ملتی عیسائی تبلیغ و اشاعت میں خرچ ہوتی ہے۔

ہندو پاک میں عیسائیت کی بنیاد اور یورپی ممالک کا مالی و سیاسی تعاون:

ہندو پاک اور پڑوس کے ممالک میں عیسائیت کی بنیاد بعض یورپی ممالک نے سرکاری پیمانہ پر ڈالی ہے اور ان تحریکات و تنظیمات کی مالی و سیاسی مدد بھی کی جاتی ہے جس سے ان کی نیتیں مخفی نہیں (کہ ان کی مدد کر کے یورپی ممالک کیا کرنا چاہتے ہیں) اسی طرح تمام عیسائی تنظیموں کے عالمی پیمانہ کی عیسائی تحریکوں اور تنظیموں سے گہرے تعلق و روابط ہیں اور عالمی پیمانہ کی عیسائی مشنریاں ان کی بھرپور مدد کرتی ہیں اور عیسائی تحریک کو سرگرم بنانے میں ریڈ کراس سوسائٹی (Red Cross) کو بھی مستثنیٰ نہیں کیا جا سکتا ہے۔ کیرالا اور تامل ناڈو، اور کرناٹک میں جگہ جگہ ایسے ادارے اور مرکز ہیں جو انسانی خدمت کے نام سے مشنری کے کام میں مشغول ہیں، اور منظم طریقہ سے اپنی دعوت پھیلانے میں مصروف عمل ہیں لیکن ان کی جد و جہد اور سرگرمیوں کے خلاف کوئی رد عمل اور احتجاج ظاہر نہیں ہوتا، اس لئے کہ ان کا تعلق براہ راست ان ممالک اور حکومتوں سے ہے جن سے ان ممالک کے مفاد و مصالح وابستہ ہیں لیکن کسی ایسی جماعت کا اسلام قبول کر لینا جو مظلوم و پسماندہ ہو اور جس کے ساتھ جانوروں کا سا معاملہ کیا جاتا ہو اور صدیوں سے وہ انسانی حقوق سے محروم ہو اور اس کی بنیاد خود مذہب ہو، اور وہ اپنی مرضی سے ان حقوق کے حصول کے لئے اس مذہب سے تعلق ختم کرے تو اس پر ہنگامہ برپا کر دیا جاتا ہے، اس لئے مقابلہ میں روس و امریکہ اور دوسرے ممالک عیسائیت اور کمیونزم کی اشاعت پر جو اربوں رقم خرچ کرتے ہیں اور جس کے لئے ان کے ادارے قائم ہیں ان پر کسی کی نظر نہیں جاتی ہے لیکن کسی علاقہ میں اسلامی سرگرمی پائی جائے تو سب کے لئے وہ علاقہ مرکز توجہ بن جاتا ہے۔ تمام جماعتیں اور دیگر تحقیقاتی بورڈ اس کی تفتیش اور جانچ کرنے کے لئے وہ تمام وسائل استعمال کر ڈالتے ہیں جو اس کے لئے کیا جا سکتا ہو کہ کہیں مال کی لالچ غلط دباؤ جبر و اکراہ کے ذریعہ تو یہ واقعہ نہیں ہوا ہے؟ اس لئے کہ ہندوستانی قانون مادی لالچ دے کر یا جبر و اکراہ کے ذریعہ تبدیلی مذہب کی اجازت نہیں دیتا ہے۔ مختلف اخبارات نے یہ خبر شائع کی ہے کہ اتنی بڑی تعداد میں ایک بڑی جماعت کے اسلام قبول کرنے کی وجہ اصلی یہ ہے کہ پٹرول کی طاقت رکھنے والے عرب ممالک نے جی کھول کر پانی کی طرح پیسے صرف کئے ہیں اس سلسلہ میں تحقیق کے لئے کئی کمیٹیوں نے اس علاقہ کے لوگوں سے پوچھ گچھ کی ہے لیکن وہاں پر تحقیقاتی کمیشن کو مادی لالچ یا غلط دباؤ کے سلسلہ میں اب تک کوئی ثبوت نہیں مل سکا ہے اور اس کی خود وضاحت وزیر اعظم صاحبہ اور وزیر داخلہ نے کی، اس کے باوجود اسلام لانے والوں پر فرقہ پرست تنظیموں کی طرف سے مختلف قسم کے دباؤ ڈالے جا رہے ہیں۔

۲ مئی ۸۱ء کو شائع ہونے والے انگریزی اخبار Deccan Herald نے لکھا ہے کہ ہریجن طبقہ کے ریاستی کمشنر نے اس علاقہ کا دورہ کیا اور اسلام قبول کرنے والے مختلف خاندانوں سے بات چیت کی۔ ان لوگوں نے بتایا کہ ہم نے خود اپنی رضا و رغبت سے مذہب اسلام قبول کیا ہے۔ اس لئے کہ اسلام لانے سے پہلے وہ سب ذلت و رسوائی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ ان کے ہندو دھرم ترک کرنے کا سب سے بڑا سبب یہی ہے۔ ایک شخص سے یہ سوال کیا گیا کہ آپ لوگوں نے عیسائیت کو کیوں نہیں قبول کیا؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ عیسائی مشنریاں فقط نصرانیت میں داخل ہونے تک تو رہنمائی کرتی ہیں۔ لیکن اس کے بعد نصرانیت یا عیسائیت اجتماعی مسائل و دشواریوں کا کوئی حل پیش نہیں کرتی ہے اور دوسری اہم بات یہ ہے کہ تبدیلی مذہب کر کے عیسائیت قبول کر لینے کے بعد بھی امتیازی و طبقاتی فرق باقی رہتا ہے۔

نو مسلموں سے ہندوؤں میں اشتعال:

اس بستی کے لوگوں کے اسلام قبول کر لینے سے ہندوؤں میں اشتعال پیدا ہو گیا ہے، بعض ہندو یونینوں نے پسماندہ طبقات کی طرف توجہ دینے کا مطالبہ کیا ہے۔ اور اعلیٰ ذات اور پسماندہ و اچھوت طبقات کے درمیان جو رکاوٹیں اور خلیج قائم ہیں ان کو پاٹنے کا مطالبہ کیا ہے۔

میناکشی پورم کا مسئلہ کوئی استثنائی معاملہ نہیں بلکہ یہ واقعہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اسلام ہی اجتماعی مسائل کا حل رکھتا ہے۔ نو مسلموں میں سے ایک شخص نے ایک تحقیق کرنے والی کمیٹی کے افراد سے کہا کہ "اسلام قبول کرنے کا پہلا فائدہ یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آدمی کو اطمینان قلب، سکون و راحت و سعادت نصیب ہوتا ہے" یہ اس وقت ہے جب خود مسلمان اسلام پر پورے طور پر عامل نہیں ہیں اور وہ اس کی تعلیمات سے دور ہیں۔ اور وہ اپنے طرز حیات سے اسلامی اخلاق و اقدار کا کوئی نمونہ نہیں پیش کرتے۔ اگر مسلمانوں کی زندگی اسلامی رنگ میں رنگ جائے اور ان کے قول و فعل میں مطابقت پیدا ہو جائے تو ہر مسلمان کی زندگی بذات خود اسلام کے لئے دعوت دینے اور اسلام سے دلچسپی پیدا کرنے کا ذریعہ بن جائے۔ اور اس کی زندگی میں جاذبیت و مقناطیسی کشش پیدا ہو جائے۔

اس صوبہ کے لوگ اسلام محض اس بنیاد پر لائے ہیں کہ اسلام طبقاتی گروپ بندیوں کو نہیں قبول کرتا ہے اور نہ حسب و نسب اور رنگ و پیشہ کی بنا پر فرق کرتا ہے اور یہی راز و سبب ہے افریقہ و امریکہ میں اسلام کے پھیلنے کا۔

ایسے حالات میں مسلمانوں کی اہم ذمہ داری:

اس پس منظر اور ماحول میں مسلمانوں کی ذمہ داری کتنی بڑھ جاتی ہے، مجھ سے ایک داعی اسلام نے ذکر کیا کہ "ایک شخص نے اسلام قبول کیا اور کچھ دنوں بعد مجھ سے خواہش ظاہر کی کہ کچھ ایام اسلامی ماحول اور مسلم معاشرہ میں گذارنے کا موقع چاہتا ہوں، تاکہ قریب سے مسلمانوں کی طرز زندگی اور اسلامی تعلیم کے نفاذ کا عملی میدان میں مشاہدہ کر سکوں، لیکن جب چند ایام مسلمانوں کے ساتھ انہوں نے گذارے تو اسلام اور مسلمانوں کے درمیان ایک طویل فاصلہ اور خلا محسوس کیا لیکن چونکہ وہ مخلص نیت کے آدمی تھے اس لئے انھوں نے کہا کہ غلطی خود مسلمانوں کی ہے نہ کہ اسلام کی۔ بلکہ اسلام تو ان سے بری الذمہ ہے"۔

فقر و جہالت، معاشرتی ظلم و زیادتی، نفع اندوزی یہ جو کچھ مسلمانوں کے اندر پائی جاتی ہے سب کا تعلق اسلام کو مضبوطی سے نہ تھامنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سب سے بڑا خطرہ جو دعوت اسلامی کو لاحق ہے وہ مسلمانوں کا اپنے دینی تعلیم سے بُعد اور اس اخلاق سے منحرف ہونا ہے جس کی طرف اسلام دعوت دیتا ہے۔

اسلام دنیا کے مختلف گوشوں میں انفرادی کوششوں سے اور اکثر جگہوں پر بلند اخلاق اور حسن سیرت و کردار سے پھیلا ہے جس طرح سے کہ اسلام اپنے سلامت فکر اور اپنی وسعت و بلند نظری اور تعلیمات میں انسانی مزاج کی رعایت اور ان خصوصیات کی وجہ سے پھیلا ہے جن کا اسلام حامل ہے اور جس کی مثال ہر زمانہ میں پائی جاتی ہیں۔ اگر وسیع پیمانہ پر اسلامی ماحول پیدا ہو جائے جس میں اسلامی زندگی کا نمونہ اور اسلامی اقدار کی زندہ مثالیں پائی جائیں تو کم سے کم وقت میں اسلام کی لہر پوری دنیا میں دوڑ جائے۔

مدراس اور بنگلور کا سفر:

صوبہ تامل ناڈو میں آخری پروگرام موضع میناکشی پورم کا تھا اس کے بعد دوسرے دن ۲۴ مئی ۸۱ء کو مدورائی میں کچھ دیر قیام کرتے ہوئے ہم مدراس آ گئے۔ مدورائی تک جناب منور مختار صاحب ساتھ تھے جو حقیقت میں اس سفر کے ترتیب دینے والے ہیں اور ان کا دار الایتام اور اشاعت اسلام سے قریبی تعلق ہے۔ مدراس میں بھائی عماد الدین صاحب کی قیام گاہ پر ایک شب قیام رہا۔ ۲۵ مئی کو ہم بنگلور پہنچے۔ بنگلور طبعی خوبصورتی و جمال و رعنائی کے ساتھ صنعت و تجارت کا مرکز ہے اسلئے فطری و طبعی جمال اور صنعتی زندگی کا عجیب و غریب سنگم ہے۔ ہندوستان کے اہم و مشہور شہروں میں اس کا شمار ہوتا ہے اور ہندوستان کے ان مشہور سیاحت گاہوں میں شمار کیا جاتا ہے جہاں سیاح، اعلیٰ اہل فن اور صاحب ذوق حضرات جوق در جوق کھنچ کر آتے ہیں، وہاں کا موسم خوشگوار، اور شادابی اور باغات کی کثرت کے ساتھ ساتھ وہ عالمی پیمانہ کا صنعتی شہر ہے جہاں اہم دفاعی اور تجارتی سامان تیار ہوتا ہے کچھ تو صنعتی کارخانوں کی قوت و تاثیر اور کچھ قدرتی جمال و رعنائی کی آمیزش سے یہاں کے باشندوں میں چستی اور زندگی میں جد و جہد اور نشاط پایا جاتا ہے اسی لئے بنگلور کی سرزمین قدرتی جمال اور حرکت و نشاط کی وجہ سے امتیازی حیثیت رکھتی ہے مسلمانوں کے یہاں متعدد ثقافتی، دینی اور اصلاحی اور رفاہی ادارے ہیں، ان کے کئی ہفت وار اور روزنامے اردو میں نکلتے ہیں بنگلور میں مولانا مصطفیٰ رفاعی ندوی نے احباب اور تعلق رکھنے والوں کے تعاون سے ایک مشغول پروگرام بنایا تھا جس میں زیارات و ملاقات اور عام اجتماعات کے پروگرام شامل تھے۔ بنگلور میں جناب محمد جنید صاحب کی قیام گاہ پر قیام تھا، شہر کے تنظیموں اور وہاں کے مراکز میں سب سے پہلی جگہ جس کا ہم نے مشاہدہ کیا وہ جامعہ سبیل الرشاد ہے جو کہ بنگلور میں سب سے بڑا اسلامی ادارہ ہے جس کی تاسیس ۲۰ سال قبل حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کے ہاتھوں ہوئی تھی جو وسیع و عریض رقبہ میں واقع ہے جہاں طلبہ کے لئے رہائش گاہ اور درس و تدریس کے لئے جدید تعمیرات جاری ہیں، جس میں ایک وسیع مسجد اور ایک لکچر ہال بھی شامل ہے۔

۲۷ مئی ۸۱ء کا دن جامعہ سبیل الرشاد میں گذرا۔ حضرت مولانا نے صدر جامعہ اور اس کے بانی محترم حضرت مولانا ابو السعود صاحب سے دعوت و تعلیم اور ملی مسائل پر گفتگو کی، اسی طرح جامعہ کی مسجد میں طلبہ سے بھی خطاب کیا۔ جس میں طلب علم میں اخلاص اور جد و جہد کی اہمیت پر زور دیا اور دعوت اسلامی کی نشر و اشاعت اور مسلم نسلوں کی تربیت کے سلسلہ میں مدارس عربیہ کے کارناموں اور ان کے اہم کردار کی وضاحت کی۔

۲۷ مئی ہی کو مولانا نے دلت پچھڑے طبقہ کے ایک اجتماع سے خطاب کیا جس میں اسلامی اخلاق اور اسلام کے انسانیت کے پیغام کو پیش کیا۔ حضرت مولانا نے حیرت و استعجاب کا اظہار کیا کہ مسلمان اس ملک پر تقریباً ایک ہزار برس تک حکومت کرتے رہے اس کے باوجود بھی ملک میں قومی و نسلی امتیاز اور گروہی و طبقاتی فرق باقی رہا۔ مولانا نے عربوں کی ان خصوصیات کا ذکر کیا کہ جب وہ کسی ملک میں داخل ہوتے تھے تو سب سے پہلا جو اصلاحی قدم اٹھاتے وہ نسلی و گروہی امتیاز کا مٹانا ہے، یہ بدقسمتی کی بات ہے کہ عرب ہندوستان میں ٹھہر نہیں سکے اگر وہ زیادہ مدت تک یہاں اقتدار میں رہتے یا ان کا قیام رہتا تو ملک میں وہ حالت نہ ہوتی جس میں آج ہندوستان

گرفتار ہے۔

مولانا نے معاملات میں حلم و مروت برتنے اور بلند فکری کی دعوت دی کہ کسی کام میں جلد بازی اور جذباتیت کو خطرناک بتایا۔ اور طبقاتی گروپ بندیوں کا ذکر کیا جو کہ ہندوستانی معاشرہ میں چھائی ہوئی ہیں اور جس کی وجہ سے جگہ جگہ انسانی حقوق کی پامالی کے حادثات و واقعات رونما ہوتے رہتے ہیں جو کبھی کبھی بعض خاندان اور فرقوں و جماعتوں کی طرف سے احتجاج و بغاوت کی شکل میں ظاہر ہوتے رہتے ہیں جو دراصل ان حالات کا ردعمل ہیں، انکے علاج کی شکل یہ ہے کہ ان اسباب کو دور کیا جائے اور انسان کے مقام کو بلند کیا جائے۔ مولانا نے لوگوں سے اپیل کی کہ وہ تند مزاجی، بداخلاقی اور جذباتیت سے ان حالات کا سامنا نہ کریں بلکہ تدبر و فکر، مروت و نرمی کے یہ حالات متقاضی ہیں اور اسی طریقہ سے مسائل حل کئے جاسکتے ہیں، اس لئے کہ یہ کسی ایک صوبہ و علاقہ کا معاملہ نہیں اور نہ کسی خاص گروہ کا مسئلہ ہے بلکہ مسئلہ پورے ملک کا ہے اس کی جڑیں بہت گہری ہو چکی ہیں ایسے موقع پر تاریخ ہمیں دیکھ رہی ہے کہ کس طرح ہم مشکلات کا سامنا کرتے ہیں اور کیسے اس پر ردعمل ظاہر کرتے ہیں، اس لئے بڑے غور و فکر اور کافی احتیاط سے اس مسئلہ کو ہمیں آگے بڑھانا چاہئے۔

حضرت مولانا کے خطاب کے بعد مولانا عبدالکریم پاریکھ صاحب نے تقریر فرمائی، حضرت مولانا کی تقریر کا انگریزی ترجمہ جناب میر جعفر صاحب نے پیش کیا۔

مولانا "دلت طبقہ" کے اجتماع سے فارغ ہو کر "ہدیٰ کمیٹی" کے جلسہ میں شریک ہوئے، ھدیٰ کمیٹی . . . . .

ائمہ مساجد و مؤذنین اور قراء کی تربیت و نگرانی کرتی ہے۔ اس کے نگراں استاذ عبداللہ پاشا ندوی ہیں، اور اس کمیٹی کی صدارت و سرپرستی جناب مصطفیٰ رفاعی ندوی کر رہے ہیں۔ اس موقع پر ایک جلسہ منعقد کیا گیا جس میں دینی دعوت کے مخلص کارکنان، ائمہ و خطباء اور اسلامی تنظیموں کے متعدد سربراہ و نمائندے شریک ہوئے

اور صوبہ کرناٹک کے وزیر اوقاف جناب ابراہیم صاحب نے بھی شرکت کی۔ وزیر اوقاف نے اپنے بیان میں ان کوششوں کا جائزہ پیش کیا جسے انھوں نے اصلاح مساجد کی ذمہ داری سپرد کئے جانے کے بعد انجام دیا ہے اور ان مساجد کے واپس دلانے کا بھی ذکر کیا جس پر غیر مسلموں نے تقسیم ہند یا حیدرآباد کی کارروائی کے وقت قبضہ کر لیا تھا۔ اور ان دستور و ضوابط کا ذکر کیا جسے انھوں نے ائمہ و مؤذنین کے وظائف کو بڑھانے اور انکی تربیت کے لئے مقرر کیا ہے۔ جس میں حکومت کا بھی حصہ ہے۔

مولانا نے اس جلسہ سے خطاب کیا اور احتساب و اخلاص عمل کی اہمیت پر زور دیا اور ائمہ مساجد کے کارناموں کو مسلمانوں کی تربیت میں نمایاں مقام دیا اس لئے کہ دن میں پانچ مرتبہ مسلمانوں کے مختلف طبقات سے ان کا ملنا جلنا ہوتا ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ مساجد ہی اسلامی شعور و فکر کے پھیلنے کی جگہ ہے۔ چنانچہ ائمہ مساجد کو اخلاص و حسن نیت، توکل علی اللہ اور اعتماد علی اللہ پر ثابت قدم رہنا ضروری ہے۔ ائمہ سے خطاب کرتے ہوئے مولانا نے فرمایا کہ آپ اپنے لئے ضروری و لازم کر لیجئے کہ آپ کا ہر عمل خالصۃً لوجہ اللہ ہوگا اور روزی کے سلسلہ میں بھی اللہ ہی پر بھروسہ رکھئے۔ اور اجرت و امید کی طلب صرف اللہ تعالیٰ سے ہی قائم رکھئے۔

مولانا نے مساجد کے معاملات میں حکومت کی دخل اندازی سے بچنے کی دعوت دی۔ اور فرمایا کہ مساجد کے اختیارات کلی طور پر مسلمانوں ہی کے ہاتھ میں رہیں۔

خواتین و تحریک پیام انسانیت کے کارکنوں سے گفتگو:

۲۸ر مئی ۱۹۸۱ء کو حضرت مولانا نے بنگلور میں تحریک پیام انسانیت کے کارکنان سے خطاب کیا اور ظلم و جور سے مقابلہ کرنے اور نفع اندوزی و نفع خوری کو ختم کرنے کے سلسلہ میں ان کو اپنی ذمہ داری انجام دینے پر زور دیا۔ اسی طرح مولانا نے خواتین کے بھی ایک اجتماع سے خطاب کیا۔ اور فرمایا کہ ماں کی گود ہی بچہ کی پہلی تربیت گاہ اور پہلا مدرسہ ہے۔ تربیت و اخلاق کے سلسلہ میں عورتوں کی ذمہ داریوں کا ذکر کیا اور اس کی نشو و نما کی صلاحیت و لیاقت رکھنا اور اپنی ذمہ داریوں کا احساس اور امور خانہ داری کی حفاظت اور معاشرہ سے موافقت رکھنے کا جائزہ پیش کیا۔

میمن برادری کے جلسہ میں شرکت:

۲۸ر مئی ۱۹۸۱ء کی شام کو مولانا نے میمن برادری کے ایک جلسہ میں شرکت کی اور اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے مسلم تجارت پیشہ لوگوں کی ذمہ داری پر زور دیا اور بتایا کہ وہ کس طرح معاشرہ میں اثر انداز ہو سکتے ہیں اس لئے کہ وہ انسانی نفسیات اور انسان کو اپنی طرف کھینچنے والی اور جو چیز اس کے عقل و دماغ پر اثر ڈالتی ہے اس سے زیادہ واقف ہوتے ہیں، ہو سکتی ہیں مختلف طبقات کے لوگوں سے انکا زیادہ ربط و تعلق ہوتا ہے۔ مولانا نے بتایا کہ وہ کس طرح اپنی تجارت کو عبادت میں تبدیل کر سکتے ہیں۔ اس سلسلہ میں تاریخ کی کئی مثالیں پیش کیں۔

امارت شرعیہ بنگلور کے مرکز میں حاضری اور جنوبی ہند کے دورہ کا آخری دن:

۲۹ر مئی ۱۹۸۱ء بنگلور میں امارت شرعیہ اور دارالقضاء کو دیکھنے تشریف لے گئے، وہاں کے مختلف شعبہ جات اور اس کی سرگرمیوں کا جو کہ مسلمانوں کے عائلی و اجتماعی مسائل کے حل کرنے میں انجام دی ہیں جائزہ لیا اور ان کو سرکاری عدالت میں مقدمات لے جانے اور اس میں پناہ لینے سے منع کیا۔ وہاں کے ذمہ داروں نے اسلام کی نشر و اشاعت کے سلسلہ میں ہمیں امارت شرعیہ کی سرگرمیوں سے واقف کرایا۔

شام کو مولانا نے اسلامی رفاہی سوسائٹی انجمن کا محمد علی ہال میں افتتاح کیا، اس موقع پر مسلم لیگ کے صدر جناب سلیمان سیٹھ کی صدارت میں جلسہ منعقد ہوا۔

اس جلسہ کی شرکت کے بعد حضرت مولانا کا جنوبی ہند کا دورہ ختم ہو گیا، اور دہلی واپسی ہوئی۔

کائنات ابھی ایک اور مرحلہ سے دوچار ہوگی

(سلامت اللہ۔ متعلم ندوہ)

تیسری عالمگیر جنگ کے امکانات برابر نمایاں بڑھتے جارہے ہیں، سائنس کی سب سے خطرناک ایجاد ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم کے اندر چھپی ہوئی طاقت چند سکنڈ میں تمام دنیا کو تباہ کر سکتی ہے گذشتہ جنگ میں جو ایٹم بم ہیروشیما و ناگاساکی پر گرائے گئے تھے وہ موجودہ ہائیڈروجن بم کے مقابلہ میں کسی پٹاخے سے زیادہ اہم نہیں تھے اور آج دنیا کے کئی ملکوں کے پاس ہائیڈروجن بم موجود ہے جو آپسی رقابت کی شکل میں پھٹنے پر ساری کائنات کو ایک سرخ دہکتے ہوئے کرہ کی شکل میں بدلنے کی طاقت رکھتے ہیں اور اب نیوٹرن بم کے نقصانات کی موجودہ تفصیلات نے تو ہائیڈروجن و نائٹروجن بم کے ناقابل تلافی نقصانات کو بھی پس پشت ڈال دیا، اور اب انانیت اس درجہ بڑھ گئی ہے کہ اگر قدرت چند سکنڈ کے لئے بھی اپنی دستگیری سے ہاتھ کھینچ لے تو یہ دنیا کے مشینی ذہنیت رکھنے والے متمدن انسان آپسی عداوت و عصبیت کے نشے میں اندھے ہو کر ہائیڈروجن بم و نیوٹرن بم لے کر ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑیں دانسانوں کا اپنی جھوٹی عزت و شان پر آنچ آتے ہوئے دیکھ کر دیوانگی کے عالم میں اس طرح کے فیصلے کرنا کوئی بعید از قیاس نہیں ہے) گویا انسان خود اپنی اس کائنات کو فنا کرنے کا، اصلاحی دور کے نشہ میں مواد فراہم کر رہا ہے، اور عین ممکن ہے کہ وہ قادر مطلق جس نے انسان کی سائنسی ترقی کی بالقوۃ صلاحیتوں کو بالفعل صلاحیت کی طرف منتقل ہونے کی استعداد عطا فرمائی، کل وہی اس کے استعمال پر بھی اسے قادر کر دے اور یہ سبب بن جائے کائنات کے اختتام کا۔ لیکن جو لوگ اس کائنات کے دین یعنی اسلام سے واقفیت رکھتے ہیں وہ

لوگ بخوبی جانتے ہیں کہ ابھی کائنات اپنی عمر تمام کو نہیں پہونچی، ابھی وہ ایک اور مرحلہ سے دوچار ہوگی، وہ دور جو ہر انسان کی زندگی میں پیش آتا ہے وہ دور موت و حیات کی کشمکش کا دور ہے۔ جب انسان اس قید ہستی سے آزادی حاصل کرنے کی خاطر مسلسل جد و جہد کرتا ہوا ایک لمحہ ٹھہر جاتا ہے۔ آپ ہم یہ سمجھتے ہیں "کہ بیمار کا حال اچھا ہے" لیکن عین اسی وقت وہ ایک بار اور آخری بار پوری قوت کے ساتھ اس قید ہستی کو توڑتا ہوا اسی وسیع کائنات میں کھو جاتا ہے جسے آپ و ہم عدم یعنی موت سے تعبیر کرتے ہیں۔

انسان و کائنات کی زندگی میں حیرت انگیز مماثلت پائی جاتی ہے، ماہرین فلکیات کا یہ کہنا ہے کہ فلکیات کا مربوط نظام بھی اس کائنات ارضی کے مربوط و مضبوط نظام سے عجیب و غریب مماثلت رکھتا ہے اور انسان کے دور ارتقاء کا کائنات کے دور ارتقاء کی یکسانیت کا لازمی تقاضا ہے کہ یہ کائنات بھی اس آخری یعنی اناقت الموت کے مرحلہ سے گزرے جس سے ایک انسان اپنی طبعی موت سے پہلے گزرتا ہے۔

اور اسی فطری تقاضہ کی پیشین گوئی آج سے چودہ سو برس قبل پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانی معاشرہ میں مختلف فتنوں و توسع پذیر ہونے سے لیکر حضرت عیسیٰ کی شکل میں ایک عالمی طاقت کے نزول اور آپ کے ذریعہ سارے عالم سے فتنوں و فسادات کے قلع قمع کے بعد ایک عالمی پر امن حکومت کی شکل میں کی ہے، کیونکہ تیسری جنگ عظیم کے خطرہ کو جنگ کے ذریعہ نہیں بلکہ امن کے ذریعہ روکا جا سکتا ہے اور اس کے لئے ایک عالمگیر طاقت کی ضرورت ہے ایسی عالمگیر طاقت جو U.N.O. سے

زیادہ منظم و طاقتور ہو جو ملکی و نسلی تعصب کو ختم کر دے جو سارے عالم کے انسانوں کی ذہنی سطح میں یکسانیت پیدا کر دے واقعہ یہ ہے کہ سترہویں صدی کے "علمی دھماکہ" نے مستقبل قریب میں واقع ہونے والے دوسرے عالمگیر دھماکہ کے لئے زمین تیار کی ہے جس کا نام مذہبی دھماکہ (Religion-Explution) ہوگا۔ اسلام پھر سے اپنی صفت عالمگیریت کی طرف بڑھ رہا ہے اور عنقریب وہ ایک عظیم قوت کی شکل میں ظاہر ہوگا جو سارے عالم میں امن قائم کر سکے، سارے عالم کے انسانوں کی ذہنی و فکری سطح میں یکسانیت پیدا کر سکے جو ملکی و نسلی تعصب کو ختم کر سکے۔

پہلی جنگ عظیم کے بعد لیگ آف نیشنز (League of nations) نے امن کے لئے جو مجلس بلائی تھی وہ بالکل بیکار ثابت ہوئی۔ امن قائم کرنے کی خاطر دوسری جنگ عظیم کے فوراً بعد ۱۹۴۵ء میں پھر سے متحدہ طاقتوں نے U.N.O. کی شکل میں امن قائم کرنے کی کوشش کی۔ اس کا بنیادی مقصد بین الاقوامی سطح پر امن قائم کرنا ہے اس میں لیگ آف نیشنز کے تجربات سے بھی فائدہ اٹھایا گیا۔ جنرل اسمبلی جو ہر سال ممبر ملکوں کے نمائندوں کو جمع کر کے سارے عالم کے حالات کا جائزہ لیتی ہے سیکورٹی کونسل جس کا مقصد ہی بین الاقوامی جھگڑوں کو ختم کرنا ہے اور جارحانہ کارروائی سے متحدہ ممالک کو روکنا ہے، عالمی عدالت International court of Justice۔ جس کا مقصد عالمی جھگڑے چکانا ہے۔ مختصر یہ کہ ان ساری مجلسوں و کوششوں کے باوجود U.N.O. امن کے لئے کوئی یقینی و قطعی حل پیش نہیں کر سکی، برخلاف اسکے سیکورٹی کونسل کے ہوتے ہوئے یو۔این۔او کی موجودگی میں آج دنیا دو بلاکوں میں بٹی

ہوئی ہے۔ روسی بلاک و امریکی بلاک اور ان دونوں بلاکوں کی رسہ کشی کے باعث سارے عالم میں انتشار برپا ہے اور ان دونوں بلاکوں میں اپنے اثر و اقتدار کو بڑھانے کی حریفانہ مسابقت جاری ہے۔ ایٹمی ہتھیاروں کی اندھا دھند تیاری فوجی طاقت کو بڑھانے کی کوشش اسی حرص کا نتیجہ ہے سیکورٹی کونسل کی موجودگی میں آج بھی روس اپنا خونی پنجہ جس ملک پر چاہتا ہے دراز کر دیتا ہے، نسل کی نسل کو چیس کر رکھ دیتا ہے اور یو۔این۔او اپنے ۱۵۱ ممبروں کے ساتھ کسی قسم کا کوئی ٹھوس اقدام نہیں کرتی سوائے لفظی بیانات و بائیکاٹ کے کہ جس کا غیر مؤثر ہونا سب پر واضح ہے۔ افریقہ و روڈیشیا میں نسل پرستی و رنگ کا مسئلہ عرب و اسرائیل کا مسئلہ جنوبی و شمالی ویتنام کا مسئلہ . . . . . اور تازہ ترین مسئلہ افغان کا ابھی تک یو۔این۔او۔ کوئی منصفانہ حل تلاش نہیں کر سکی۔ ان ساری ناکامیوں کی وجہ . . . . . صرف یہ ہے کہ یو۔این۔او اس عالمی قوت سے محروم ہے جس کے ذریعہ وہ سارے عالم کی متفرق قوتوں کو اپنے دست نگوں کر سکے اور یہ عالمگیر قوت اسلام کی شکل میں سارے عالم کی نظر و فکر کا محور بن رہی ہے۔

پیغمبر اسلام کی دیگر ساری پیشین گوئیوں کے ظہور کا تقاضا یہ ہے کہ اب وہ اسلام کے عالمگیر مذہب کی حیثیت سے قبول کئے جانے والی پیشین گوئی کا بھی ظہور ہو اور انسانوں کی عافیت اسی میں ہے کہ وہ اپنی ساری نسلی و قومی عصبیتوں کو بالائے طاق رکھ کر اپنے عارضی اغراض و مقاصد کو ٹھکرا کر حقیقت کا اعتراف کریں، بالفاظ دیگر اسلام ہی کے قبول کرنے کی شکل انسان و انسانی معاشرہ امن و عافیت کی زندگی سے ہمکنار ہو سکتا ہے، اسلام کے اس وسیع و مکمل نظام حیات سے جب کوئی انسانی ذہن روشناس ہوتا ہے تو اس کے شب و روز بدل جاتے ہیں وہ معاشرہ کے لئے سراپا رحمت بن جاتا ہے۔ وہ امن و عافیت کا چلتا پھرتا مجسمہ خیر کا منبع، کمزوروں کا ملجا و ماویٰ بن جاتا ہے، اسی زندگی کے بعد آنے والی زندگی کا خیال اسے زمین میں ہر قسم کے فساد پھیلانے سے روکتا ہے

(باقی صفحہ ۵ پر)